www.alrisala.org

الرسالہ

Al-Risala

December 2012 • No. 433 • Rs. 15

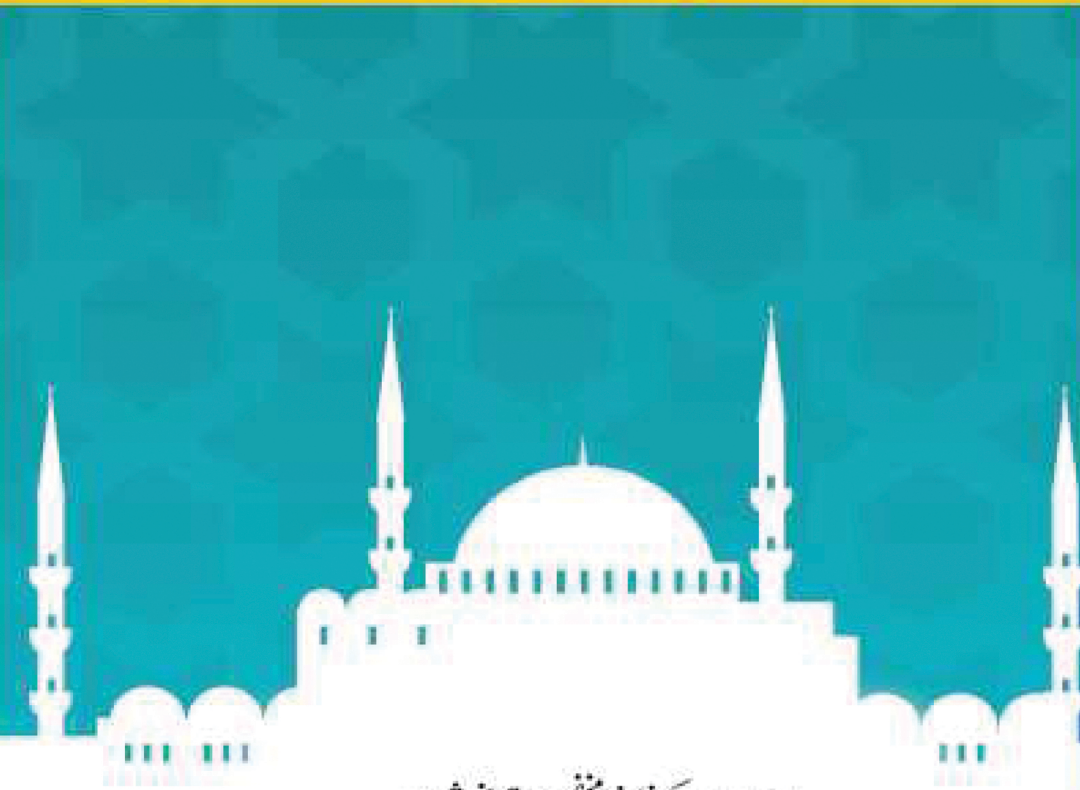

دوسروں کے خلاف منفی سوچ اپنی مثبت
ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دسمبر 2012

فہرست

ایمان سے جنت تک	2
اللہ کے گواہ	3
بائبل کی ایک پیشین گوئی	4
قلب اور عقل	6
زندگی کی ایک حکمت	8
غیر ضروری شبہات	9
بے بنیاد اندیشہ	11
مغربی تہذیب کا مسئلہ	12
فرق کا اصول	15
دورِ جدید موافقِ اسلام دور	16
دورِ فتنہ کی واپسی	17
بچوں کی تربیت	21
بے فائدہ عمل	24
شتمِ رسول کا مسئلہ	25
فطرت کی آواز	31
تاریخ انسانی کا خاتمہ	32
ایک خط	37
سوال و جواب	39
خبر نامہ اسلامی مرکز—219	42

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083, 46521511,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹15
One year ₹150
Two years ₹300
Three years ₹450

By Registered Mail:
One year ₹400
Two years ₹800
Three years ₹1200
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

ایمان سے جنت تک

قرآن کی سورہ النحل میں ارشاد ہوا ہے: من عمل صالحاً من ذکر أو أنثی وهو مؤمن فلنحيينّه حياة طيبة، ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون (16:97) یعنی جو شخص کوئی عمل صالح کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو زندگی دیں گے، ایک اچھی زندگی۔ اور جو کچھ وہ کرتے رہے، اُس کا ہم اُن کو بہترین بدلہ دیں گے۔

قرآن کی اِس آیت کے تین حصے ہیں— پہلے حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص حقیقت کے بارے میں سنجیدہ ہو، وہ غور وفکر کے ذریعے ایمان باللہ تک پہنچے اور پھر اس کے مطابق، وہ عملِ صالح کا طریقہ اختیار کرے، ایسا شخص گویا اللہ کی رحمت کے سایے میں آگیا، وہ اللہ کے مطلوب بندوں میں شامل ہوگیا۔

دوسری بات ہے ایسے شخص کو 'حیاتِ طیبہ' کا ملنا۔ اِس حیات طیبہ کا تعلق موجودہ دنیا سے ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک شخص ایمان اور عمل صالح کا ثبوت دے، تو اُس کے بعد وہ اللہ کی نصرت کا مستحق بن جاتا ہے، اُس پر فرشتے اترتے ہیں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کو وہ مدد ملتی رہتی ہے جس سے اس کے اندر ثابت قدمی پیدا ہو، وہ صحیح اور غلط میں فرق کرتے ہوئے اپنے لیے صحیح کا انتخاب کرے، اللہ کی توفیق سے اس کے اندر وہ شعور پیدا ہوجاتا ہے جو اس کو ہر انحراف (deviation) سے بچائے، اِس طرح وہ اپنے اندر اُس شخصیت (personality) کی تعمیر کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جو اس کو اللہ کے مطلوب بندوں کی فہرست میں شامل کردے۔

آیت کے آخری حصے میں، اجر ملنے سے مراد، آخرت کا اجر ہے۔ ایسے افراد آخرت کی ابدی زندگی میں جنت میں داخلے کے مستحق قرار دئے جائیں گے۔

ان کے اوپر اللہ کا مزید احسان یہ ہوگا کہ آخرت میں ان کو جو بدلہ دیا جائے گا، وہ اُن کے اعمال کے بہتر حصہ (احسنِ عمل) کی نسبت سے دیا جائے گا۔

اللہ کے گواہ

سورہ آل عمران قرآن کی ایک طویل سورہ ہے۔ اس کی آیات 200-130 غزوہ احد (3ہجری) کے بعد نازل ہوئیں۔غزوہ احد میں 70 صحابہ شہید ہوئے۔اِس موقع پر قرآن کا جو حصہ اترا، اُن میں سے ایک آیت یہ ہے: إن يمسسكم قرح فقد مسّ القوم قرح مثله، وتلك الأيام نداولها بين الناس، وليعلم الله الذين آمنوا ويتخذ منكم شهداء، والله لا يحب الظالمين (3:140) یعنی اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے، تو دوسروں کو بھی ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم دنوں کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، تا کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ لوگوں کو گواہ بنائے۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

قرآن کی اِس آیت میں اصلاً شہید سے مراد مقتول نہیں ہے، بلکہ شہید سے مراد گواہ (witness) ہے۔قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں جب تمام انسان اکھٹا کئے جائیں گے اور لوگوں کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔اُس وقت کچھ لوگ اللہ کے گواہ کی حیثیت سے کھڑے ہوں گے۔ اِس گواہی کے دو پہلو ہیں — نظری گواہی، اور عملی گواہی۔نظری گواہی سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کے تخلیقی منصوبے سے آگاہ کر دیا جائے۔اور عملی گواہی سے مراد یہ ہے کہ زندگی میں اِس حقیقت کا عملی مظاہرہ کیا جائے کہ دنیا میں یہ پوری طرح ممکن تھا کہ ایک شخص اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کا پیرو بن سکے۔قرآن میں اصحابِ اعراف (7:48) کا ذکر ہے۔ اصحابِ اعراف سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی میں دینِ حق کی نظری شہادت دی۔انھوں نے قولی دعوت کے ذریعے لوگوں کو سچائی سے باخبر کیا۔دوسرا گروہ اصحاب الشہادہ کا گروہ ہے۔یہ وہ افراد ہیں جو تمام غیر موافق حالات کے علی الرغم سچائی پر قائم رہے۔ان لوگوں کی زندگی اِس بات کا ایک عملی ثبوت ہوگی کہ دنیا میں جن لوگوں نے سچائی کا طریقہ اختیار نہیں کیا، اُن کے پاس اپنی غلط روش کے لیے کوئی عذر (excuse) موجود نہیں تھا، ان کا کیس سرکشی کا کیس تھا، نہ کہ عذر کا کیس۔

بائبل کی ایک پیشین گوئی

بائبل (پرانا عہد نامہ) میں ایک اسرائیلی نبی حبقوق کی زبان سے مستقبل کے بارے میں ایک پیشین گوئی درج ہے۔ حبقوق، یہود کی جلاوطنی (605 ق م) کے دور سے پہلے آئے۔ اِس پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں— اُس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں۔ ازلی پہاڑ پارہ پارہ ہوگئے۔ قدیم ٹیلے جھک گئے۔ اُس کی راہیں ازلی ہیں:

He stood and measured the earth. He looked and startled the nations. And the everlasting mountains were scattered, the perpetual hills bowed. His ways are everlasting. (Habakkuk 3: 6)

بائبل کی اِس پیشین گوئی میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعد کے دور میں ایک عظیم انقلاب پیش آئے گا۔ اِس انقلاب کا قائد ایک شخص ہوگا۔ مگر بائبل کے شارحین یہ نہ بتا سکے کہ اِس عظیم انقلاب سے مراد کون سا واقعہ ہے۔

لیکن بعد کی تاریخ بتاتی ہے کہ اِس سے مراد وہی انقلاب ہے جو بعد کو پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب کے ذریعے ساتویں صدی عیسوی میں پیش آیا۔ کوئی بھی دوسرا واقعہ ایسا نہیں جو حقیقی طور پر اِس طور پر اس پیشین گوئی کا مصداق بن سکے۔

حبقوق نبی نے جس وقت یہ پیشین گوئی کی، اُس وقت ایشیا اور افریقہ کے علاقے میں دو بڑی سلطنتیں (empires) قائم تھیں— بازنتینی ایمپائر اور ساسانی ایمپائر۔

یہ دونوں سلطنتیں قدیم طرز کی جابرانہ بادشاہت کی سب سے بڑی نمائندہ تھیں۔ لمبی مدت کے نتیجے میں وہ بہت زیادہ مستحکم ہو چکی تھیں۔ اِن سلطنتوں نے آزادی اور ترقی کا دروازہ انسان کے اوپر بند کر رکھا تھا۔ یہی وہ سلطنتیں تھیں جن کو بائبل میں ''ازلی پہاڑ'' کہا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے

اِن سیاسی پہاڑوں کو توڑ دیا اور اِس طرح دنیا میں آزادی اور ترقی کا دور آیا، وہ دراصل اُسی انقلابی عمل کا نقطۂ انتہا (culmination) تھا جو ساتویں صدی عیسوی اور آٹھویں صدی عیسوی میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے تحت برپا ہوا تھا — یہی وہ انقلابی واقعہ ہے جس کو بائبل میں حبقوق نبی نے تمثیل کی زبان میں بیان کیا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انقلابی رول اتنا زیادہ واضح ہے کہ سیکولر مورخین نے بھی کھلے لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی ایک مثال امریکی مورخ چارلس (Charles Issawi) ہیں، جن کی وفات 2000 میں ہوئی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی (وفات: 1977) نے اپنی انگریزی تفسیر قرآن میں سورہ الانشراح کی تفسیر کے تحت اِس سلسلے میں چارلس اساوی کا ایک قول اِس طرح نقل کیا ہے کہ — یہ کہنا کوئی مبالغہ کی بات نہیں کہ اگر کسی ایک شخص نے تاریخ کے کورس کو بدلا ہے، تو وہ انسان محمد تھے:

It does not seem too much to say that if any one man changed the course of history that man was Muhammad. (*The Muslim World*, Hartford, April 1950, p. 95)

یہ ایک حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا طویل زمانہ بادشاہت (kingship) کا زمانہ تھا۔ اِس بادشاہت کے تحت ساری دنیا میں جبری نظام قائم تھا۔ انسان کو آزادانہ سوچ اور آزادانہ تحقیق کا اختیار حاصل نہ تھا۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں سال سے علمی ترقی کا دروازہ انسان کے اوپر بند پڑا ہوا تھا۔ ہر قسم کی ترقی آزادانہ سوچ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، اور قدیم بادشاہی نظام میں یہ آزادانہ سوچ سرے سے موجود نہ تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی قربانیوں کے نتیجے میں قدیم بادشاہت کے تحت قائم شدہ جبری نظام ختم ہوا۔ اِس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ دنیا میں آزادی آئے اور انسانی قافلہ ترقیات کے دور میں پہنچے۔

قلب اور عقل

انسان ایک سوچنے والا حیوان (thinking animal) ہے۔ انسان کی تمام سرگرمیاں سوچ سے کنٹرول ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسان جیسا سوچتا ہے، ویسا ہی وہ بن جاتا ہے۔ سوچنے کی اس فیکلٹی (faculty) کو ذہن (mind) کہا جاتا ہے۔ ذہن کے لئے قرآن میں حسب ذیل الفاظ آئے ہیں — عقل، لُب، فواد، حِجر، نُہیٰ اور قلب۔

قلب کو عام طور پر دل کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے، مگر اسی کے ساتھ قلب کا لفظ عقل کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی زبان کے مشہور لغت لسان العرب میں قلب کی تشریح کے تحت یہ الفاظ آئے ہیں: وقد يعبر بالقلب عن العقل - قال الفراء في قوله تعالى: إن في ذلك لذكرى لمن كان له قلب، أي: عقل - قال الفراء: وجائز في العربية أن تقول: مالك قلب، وما قلبك معك - تقول: ما عقلك معك، وأين ذهب قلبك - أي: أين ذهب عقلك - (لسان العرب، 1/687)

یعنی قلب کو عقل کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ فرا نحوی نے کہا ہے کہ قرآن کی آیت: إن في ذلك لذكرى لمن كان له قلب (50:37) میں قلب سے مراد عقل ہے۔ عربی زبان میں یہ طریقہ درست ہے کہ عقل کے موقع پر قلب کا لفظ بولا جائے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ تمھارا قلب کہاں چلا گیا، یعنی تمھاری عقل کہاں چلی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر سب سے بڑی چیز ذہن (mind) ہے، قلب کا لفظ اور عقل کا لفظ دونوں اِس معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ عقل کے لفظ کو لفظی طور پر ذہن کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، اور قلب کا لفظ ادبی استعمال کے لحاظ سے ذہن کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

موجودہ زمانے میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قلب صرف حرکتِ خون کا مرکز ہے اور سوچنے کا مرکز صرف دماغ ہے، لیکن ادبی استعمال کی بنا پر اب بھی، ہول مائنڈڈلی (wholemindedly) نہیں بولا

جاتا، بلکہ ہول ہارٹڈلی (wholeheartedly) بولا جاتا ہے۔ یہی طریقہ ہر زبان میں رائج ہے۔

قرآن کا موضوع علمِ تشریح الاعضا (anatomy) نہیں ہے، بلکہ قرآن کا موضوع انسان کی ہدایت ہے۔ ہدایت کا تعلق کامل طور پر تعقل اور تفقہ سے ہے۔ ایسی حالت میں قرآن میں جہاں بھی قلب کا لفظ آئے گا، تو قرآن کے موضوع کی بنا پر اُس کو عقل کے معنی میں لیا جائے گا۔

قلب کا لفظ جب دو معنی میں آتا ہے — ایک، معروف طور پر دل کے معنی میں اور دوسرے، عقل کے معنی میں، تو ایسی حالت میں قرآن میں قلب کا مفہوم قرآن کے موضوع کی نسبت سے متعین ہوگا۔ قلب بمعنی دل، قرآن میں قابلِ انطباق (applicable) نہیں ہوگا، بلکہ قرآن میں قلب بمعنی عقل ہی قابلِ انطباق قرار پائے گا۔

یہ اصول، بلاغت کا ایک مسلّم اصول ہے، اور یہ قرآن اور غیر قرآن دونوں کے لیے قابلِ انطباق ہے۔ مثلاً ایک کتاب جو علم تشریح الاعضا (anatomy) پر لکھی گئی ہو، اُس میں اگر کہیں قلب (heart) کا لفظ آتا ہے تو وہاں قلب کے لفظ کو عقل (mind) کے معنی میں نہیں لیا جائے گا، بلکہ دل کے معنی میں لیا جائے گا۔ اس کے برعکس، جب قرآن میں قلب کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کو عقل (mind) کے معنی میں لیا جائے گا۔ علمِ تشریح الاعضا کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب میں قلب کا مفہوم اس کے موضوع کی نسبت سے متعین ہوتا ہے۔ اِسی طرح قرآن میں اگر قلب کا لفظ کسی آیت میں آئے تو یہاں قلب کا مفہوم قرآن کے موضوع کی نسبت سے متعین ہوگا، یعنی اِس کو عقل کے معنی میں لیا جائے گا۔ یہ بلاغت کا ایک معروف اصول ہے۔

ہر زبان میں ایسا ہے کہ اکثر کسی لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ یہ معنی سیاق (context) سے متعین ہوتا ہے۔ مثلاً عربی زبان کا ایک لفظ دین ہے، جس کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ مثلاً مالك يوم الدين (1:3) میں یہ لفظ روزِ جزا کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور أقيموا الدين (42:13) میں یہ لفظ مذہب (religion) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، وغیرہ۔

زندگی کی ایک حکمت

قرآن کی سورہ یونس میں ارشاد ہوا ہے: ربنا لا تجعلنا فتنةً للقوم الظالمین (10:85) یعنی اے ہمارے رب، تو ہم کو ظالم لوگوں کے لیے ہدفِ فتنہ نہ بنا۔

ایک اسلوبِ کلام یہ ہے کہ بظاہر مخاطب کوئی اور ہوتا ہے، لیکن اصل مقصود کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ مثلاً عربی میں کہا جاتا ہے: لا یضربنك زید۔ اِس جملے کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ زید تم کو ہرگز نہ مارے، مگر اِس کا اصل مطلب زید کو مارنے سے منع کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا اصل خطاب آدمی کی اپنی ذات ہے، یعنی تم اپنے کسی عمل سے زید کو یہ موقع نہ دو کہ وہ تم کو مارے۔

قرآن میں اِس اسلوب کی ایک مثال یہ آیت ہے: فلا ینازعنّك فی الأمر (22:67)۔ اِس آیت کا بظاہر ترجمہ یہ ہے کہ وہ 'امر' میں تم سے نزاع نہ کریں۔ مگر اِس آیت کا خطاب خود اہلِ ایمان سے ہے، یعنی تم دوسروں کو یہ موقع نہ دو کہ وہ تم سے 'امر' میں نزاع کرنے لگیں۔

یہی اسلوب قرآن کی مذکورہ آیت میں ہے۔ بظاہر آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ظالم لوگ ہم کو ہدفِ فتنہ نہ بنائیں، مگر اِس دعائیہ کلام کا اصل خطاب خود اہلِ ایمان سے ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ، تو ہم کو اِس سے بچا کہ ہم کوئی ایسا فعل کریں جو ہمارے مخالفین کو یہ موقع دے دے کہ وہ ہم کو اپنے ظلم کا تختۂ مشق بنائیں۔

دوسرے لفظوں میں، یہ کہ مذکورہ آیت میں اہلِ ایمان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی طرف سے ہرگز کوئی ایسا فعل نہ کریں جو اُن کے مخالفین کے لیے اُن کے خلاف ظالمانہ کارروائی کا مبرّر (justification) بن جائے۔

اِس معاملے کی ایک مثال یہ ہے کہ مصری حکومت نے 1956 میں سوئز کمپنی سے پٹہ (lease) کو یک طرفہ طور پر قبل از وقت منسوخ کر دیا۔ اِس منسوخی نے فریقِ ثانی کو یہ مبرّر دے دیا کہ وہ 1967 میں مصر پر تباہ کن حملہ کر دے۔

غیر ضروری شبہات

مسٹر ساجد انور انجینئر (رڑکی، اتراکھنڈ) اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک مجلس میں یہ بات کہی کہ مسلمانوں کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ قرآن کے ترجمے کو غیر مسلموں تک پہنچائیں، تاکہ وہ قرآن کے پیغام سے واقف ہوسکیں۔ اِس مجلس میں ایک تعلیم یافتہ مسلمان موجود تھے۔ انھوں نے اِس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ — اگر ایک شخص کسی غیر مسلم کو قرآن کا ترجمہ دیتا ہے اور وہ اس کو پھاڑ کر کوڑے دان میں ڈال دیتا ہے تو کون اس کے لیے گناہ گار ہوگا:

If one gives a copy of the Quran to a non-Muslim, and he tears it apart and puts it into a dustbin, then who would be a sinner?

اُس وقت مجلس میں ایک اور تعلیم یافتہ مسلمان ڈاکٹر عندلیب طارق موجود تھے۔ انھوں نے اِس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں کچھ غیر مسلم حکمرانوں کے نام دعوتی مکتوب روانہ کیے تھے۔ اُن میں سے ایک مکتوب وہ تھا جو ایران کے غیر مسلم بادشاہ کسری کے نام بذریعہ عبداللہ بن حُذافہ صحابی بھیجا گیا تھا۔ اِس مکتوب میں قرآن کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔ کسری ایک مغرور بادشاہ تھا۔ وہ مکتوب کو دیکھ کر غصہ ہوگیا۔ اس نے مکتوب نبوی کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اس کے لیے کون گنہ گار ہوگا۔ کیا نعوذ باللہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم:

Did the act of the king in any way make the Prophet a sinner?

اِس جواب پر مذکورہ مسلمان خاموش ہوگئے، مگر یہ خاموشی کی بات نہیں۔ اِس جواب کے بعد مذکورہ مسلمان کو چاہئے تھا کہ وہ کہتے کہ آج میں نے اپنی ایک غلطی دریافت کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اِس قسم کے شبہات مکمل طور پر بے حقیقت ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ اِس معاملے میں ہم صرف اپنے دعوتی فرض کے بارے میں سوچیں اور قرآن کے تراجم کو تمام انسانوں تک پہنچادیں۔ ہمارا کام پہنچادینا ہے۔ کسی بھی عذر کی بنا پر ہم ایسا نہیں کرسکتے کہ ہم اللہ کے کلام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا کام نہ کریں۔

بے بنیاد اندیشہ

ایک اردو میگزین میں ایک ہندستانی عالم کا مضمون نظر سے گزرا۔ یہ مضمون موجودہ مسلمانوں کے بارے میں تھا۔ اِس مضمون کی سرخی یہ تھی: ''عالمی سطح پر ملتِ اسلامیہ کو گھیرنے کی کوشش''۔ اِس موضوع پر ایک اور مسلم پروفیسر کا انگریزی مضمون نظر سے گزرا۔ اس کا عنوان یہ تھا— موجودہ مسلمان محاصرے کی حالت میں:

Present Muslims Under Siege.

مسلم علما اور مسلم رہنماؤں کی طرف سے آج کل ہر جگہ اِس طرح کی تحریریں چھپ رہی ہیں اور اِس طرح کی تقریریں کی جارہی ہیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا عام ذہن یہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہر جگہ وہ مخالفین کی طرف سے کی جانے والی دشمنی اور سازش کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق، یہ صورتِ حال اتنی عام ہے کہ وہ خود مسلم ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

اِس قسم کی منفی سوچ یقینی طور پر ایک غیر اسلامی سوچ ہے، وہ قومی ذہن سے نکلی ہوئی سوچ ہے، حقیقی اسلامی سوچ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جو مسلمان اِس طرح سوچتے ہیں، اُن کو قرآن کی حسب ذیل آیات پر غور کرنا چاہیے: الذین قال لهم الناسُ إن الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم إيمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل- فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله، والله ذو فضل عظيم- إنما ذلكم الشيطنُ يخوف أولياءه، فلا تخافوهم وخافونِ إن كنتم مؤمنين (3:173-175) یعنی یہ وہ ہیں کہ جن کو لوگوں نے بتایا کہ دشمن نے تمھارے لیے بڑی طاقت اکٹھا کی ہے تو تم اُن سے ڈرو، اِس چیز نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بولے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور اللہ بہترین کارساز ہے۔ پس وہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس آئے۔ اُن لوگوں کو کوئی برائی پیش نہ آئی اور وہ اللہ کی رضامندی پر چلے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

قرآن کی اِس آیت میں "قد جمعوا لکم" کے الفاظ میں جو بات نقل کی گئی ہے، وہ قدیم مدینہ کے منافقین کی بات تھی۔ منافقین نے جب یہ بات پھیلائی تو اس کو سن کر سچے اہلِ ایمان کا جواب کیا تھا، وہ قرآن کے اِن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے: حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن اندیشہ ناک باتوں کو سن کر سچے اہلِ ایمان کے دلوں میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوا، بلکہ اُن کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا۔

منافق مسلمانوں اور سچے اہلِ ایمان کے درمیان یہ فرق کیوں تھا۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ منافق مسلمانوں کو صرف ''مخالفین'' نظر آتے تھے، وہ اِن مخالفین کی باتوں سے اپنی رائے بناتے تھے۔ اُن کا حال یہ تھا کہ مخالفین کی طرف سے جو پروپیگنڈہ انھوں نے سنا، اس کو اُسی طرح مان لیا اور لوگوں کے درمیان اس کا چرچا کرنے لگے۔

سچے اہلِ ایمان کا معاملہ اِس سے مختلف تھا۔ سچے اہلِ ایمان کی توجہ ہمیشہ اللہ کے وعدوں اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی بشارتوں پر ہوتی تھی۔ سچے اہلِ ایمان کا ذہن قرآن سے اور پیغمبر کی باتوں سے بنا تھا، نہ کہ کسی اور چیز سے۔ اِس بنا پر سچے اہلِ ایمان کے اندر یہ بصیرت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ منفی پروپیگنڈہ کا تجزیہ کر سکیں اور مخالفین کی باتوں سے اوپر اٹھ کر اپنی رائے بنائیں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: أشداء علی الکفار (48:29) یعنی وہ غیر تاثر پذیر ذہن کے مالک ہیں۔ وہ مخالفین کی باتوں سے آزاد ہو کر اپنی رائے بناتے ہیں۔

سچے اہلِ ایمان کے اِس ذہن نے ان کے اندر یہ اتھاہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ جب وہ حق کے راستے پر چل رہے ہیں تو کوئی ان کو نقصان پہنچانے والا نہیں۔ اپنے اِس ذہن کی بنا پر ان کا یہ حال تھا کہ وہ دوسروں کے خلاف شکایت اور احتجاج کرنے کے بجائے ہمیشہ خود اپنا جائزہ لیتے رہتے تھے، کیوں کہ ان کو یقین تھا کہ وہ حق پر ہیں، ان کو ضرور اللہ کی مدد پہنچتی رہے گی۔ اُن کے نزدیک اصل مسئلہ خود اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنا تھا، نہ کہ دوسروں کے خلاف احتجاج کرنے کا۔

مغربی تہذیب کا مسئلہ

امت مسلمہ کی تاریخ میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن کو فتنہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً باطنیت کا فتنہ، وحدتِ وجود کا فتنہ، انکارِ حدیث کا فتنہ، قادیانیت کا فتنہ، وغیرہ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی ماضی میں اِس قسم کا کوئی فتنہ پیدا ہوا تو بہت سے علما اٹھے جنھوں نے قرآن اور سنت کی روشنی میں اس کا بھرپور رد کیا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ بہت سے مسلمان جو ان فتنوں سے متاثر ہوئے تھے، انھوں نے ان سے توبہ کی اور وہ امت مسلمہ کی مین اسٹریم (mainstream) میں شامل ہو گئے۔

تاریخ مزید بتاتی ہے کہ اِن موقعوں پر ایسا نہیں ہوا کہ ایک فتنہ دوبارہ ایک نئے فتنے کی شکل اختیار کر لے، یعنی جو لوگ ان فتنوں سے ذہنی طور پر متاثر ہوئے تھے، انھوں نے اپنی اصلاح کر لی اور اربابِ فتنہ سے الگ ہو کر وہ اسلامی زندگی گزارنے لگے۔

موجودہ زمانے میں بھی اِسی قسم کا ایک ''فتنہ'' پیش آیا۔ یہ مغربی تہذیب کا فتنہ تھا۔ یہ فتنہ ابتدائی طور پر یورپ کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے بعد شروع ہوا اور بیسویں صدی عیسوی میں اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اُس وقت بہت سے عرب اور غیر عرب مصلحین پیدا ہوئے جنھوں نے مغربی تہذیب کے خلاف زبان و قلم کے ذریعے جہاد شروع کیا۔ یہ جہاد بظاہر کامیاب رہا۔ بہت سے مسلم نوجوان جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوئے تھے، وہ اس سے تائب ہو گئے۔

اِس کامیابی کا عمومی طور پر اعتراف کیا گیا۔ حتی کہ ان مصلحین میں سے کئی افراد ایسے تھے جن کو بڑے بڑے القاب دئے گئے۔ مثلاً مفکرِ اسلام، معمارِ ملت، عہد ساز شخصیت، مجدّدِ دوراں، وغیرہ۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ قدیم فتنوں کے مقابلے میں جدید فتنے کا معاملہ اپنے حقیقی نتیجہ (result) کے لحاظ سے بالکل مختلف ثابت ہوا، یعنی بظاہر نظری سطح پر خاتمہ کے نتیجے کے اعتبار سے وہ دوبارہ مزید اِضافے کے ساتھ زندہ ہو گیا۔ اِن مصلحین نے مسلمانوں کی جدید نسلوں کو یہ باور کرایا تھا کہ — مغربی تہذیب زہریلے پھل کا ایک درخت ہے۔ جدید تہذیب ایک مسلم دشمن تہذیب ہے۔

مغربی تہذیب کے تحت پیدا شدہ تعلیمی ادارے قتل گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا تعلق مغربی تہذیب سے بائیکاٹ کا ہونا چاہئے، نہ کہ اس سے تعاون کا۔

ابتدائی طور پر مسلم نوجوانوں پر بظاہر ان باتوں کا اثر ہوا۔ مسلم نوجوان مغربی تہذیب کے علم برداروں سے لڑنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے مغربی تہذیب کے تحت قائم شدہ تعلیمی اداروں کو چھوڑ دیا، انھوں نے مغربی اداروں میں جاب لینے سے انکار کردیا، وغیرہ۔ مگر بعد کو آسمان نے یہ منظر دیکھا کہ انھیں مسلم نوجوانوں نے بڑے پیمانے پر یوٹرن (U turn) لیا۔ انھوں نے اور ان کی اولاد نے مغربی تہذیب کے تحت قائم شدہ اداروں میں ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ مغربی تہذیب کے اداروں کے کارکن بن گئے۔ وہ بہت بڑی تعداد میں مسلم ملکوں سے ہجرت کرکے مغربی ملکوں میں پہنچ گئے اور وہاں سٹل (settle) ہونے پر فخر کرنے لگے۔

قدیم فتنوں اور جدید تہذیب کے فتنہ میں نتیجہ (result) کے اعتبار سے یہ فرق کیوں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قدیم طرز کے فتنے صرف اعتقادی فتنے تھے، مگر مغربی تہذیب کا معاملہ یہ تھا کہ دنیا کی مادی ترقی سے وہ براہِ راست جڑا ہوا تھا۔ مغربی تہذیب کے علم برداروں نے جو نئی دنیا بنائی، وہ مادی اعتبار سے ایک نہایت شاندار دنیا تھی۔ اس کے مکانات، اس کے شہر، اس کے دفاتر، اس کی سواریاں، اس کے سامانِ حیات، ہر چیز نہایت اعلیٰ معیار کی تھی۔ اِسی حقیقت کو موجودہ زمانے کے ایک مسلم شاعر نے طنزیہ انداز میں اس طرح بیان کیا تھا:

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے واں کنکر سب بلوری ہیں، یاں ایک پرانا مٹکا ہے

انسان اپنی نفسیات کے اعتبار سے ہمیشہ ترقی کا طالب ہوتا ہے۔ وہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے زیادہ ترقی یافتہ مستقبل دیکھنا چاہتا ہے۔ مغربی تہذیب میں یہ پہلو نہایت اعلیٰ درجے میں موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم مفکرین کی خلافِ مغرب مہم ابتداءً نظری طور پر کامیاب ہوکر اپنے نتیجہ کے اعتبار سے مکمل طور پر ناکام ہوگئی۔ مسلم نوجوان ابتدائی طور پر رومانوی جذبات کے تحت جدید تہذیب کے خلاف ہوگئے، مگر بعد کو جب انھوں نے دیکھا کہ ساری ترقیاں مغربی تہذیب اور مغربی علوم سے وابستہ ہیں، تو وہ

سب کچھ بھول کر اس کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ جن تعلیمی اداروں کو قتل گاہ سمجھ کر انھوں نے وقتی طور پر چھوڑ دیا تھا، وہ دوبارہ اُسی میں داخل ہوئے اور انھوں نے وہاں سے ڈگریاں حاصل کیں۔ جن مغربی قوموں کو انھوں نے مسلم دشمن قرار دیا، انھیں کے اداروں میں جاب لینے کو وہ اپنے لئے قابلِ فخر سمجھنے لگے۔ اُن کے بزرگوں نے جن مغربی ملکوں سے ہجرت کا فتوی دیا تھا، انھیں ملکوں میں واپس جا کر وہ پُرفخر طور پر آباد ہونے لگے، وغیرہ۔

اصل یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے دو حصے تھے — ایک، اس کی سائنس اور دوسرے، اس کا کلچر۔ مغربی سائنس حقائقِ فطرت کے انکشاف پر مبنی تھی۔ اُس کے اندر ذاتی طور پر غلطی کا کوئی پہلو شامل نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی سائنس، قرآن کی اِس آیت کی انفولڈنگ تھی: وسخّر لکم ما فی السموات وما فی الأرض جمیعا منه (45:13)۔ وہ قرآن کے الفاظ میں: وآتاکم من کل ما سألتموہ کا ئکنالوجکل اظہار تھا۔ وہ آفاق وانفس کی آیات کی وہ تبیین تھی جس کی پیشگی اطلاع قرآن (41:53) میں دے دی گئی تھی۔

مغربی تہذیب کا دوسرا پہلو اس کا کلچر تھا۔ یہ کلچر براہِ راست طور پر سائنس کی پیداوار نہ تھا، بلکہ وہ قومی اور سماجی عوامل کی پیداوار تھا۔ قومی اور سماجی دائرے میں خالق نے ہر انسان کو آزادی دی ہے۔ اِس دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی ملی ہوئی آزادی کا صحیح استعمال کرے یا وہ اس کا غلط استعمال کرے۔ مغربی کلچر کے جن پہلوؤں کو لے کر ہمارے علما نے اُس کے خلاف ہنگامہ آرائی کی، وہ دراصل آزادی کے غلط استعمال (misuse of freedom) کا نتیجہ تھا، نہ کہ حقیقۃً مغربی سائنس کا نتیجہ۔ اِس معاملے میں ہمارے مفکرین کو اصولِ تمیز (principle of differentiation) کو منطبق کرنا تھا، مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت کے افراد ایک فتنے کے استیصال کے نام پر ایک شدید تر فتنے کا شکار ہو گئے، یعنی دہرا پن۔ اس کا مزید نقصان یہ ہوا کہ وہ مغربی تہذیب کے پیدا کردہ مثبت مواقع کے استعمال سے محروم ہو کر رہ گئے۔

فرق کا اصول

خلیفہ دوم عمر فاروق کے زمانے کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں کا مقابلہ ایرانی ایمپائر سے پیش آیا۔ مسلمان جب پیش قدمی کرنے لگے تو ایرانی سپہ سالار رستم نے مسلم فوج کے سردار سعد بن وقاص کے پاس پیغام بھیجا کہ تم اپنا نمائندہ گفت وشنید کے لیے بھیجو۔ اِس موقع پر مسلمانوں کی جماعت میں سے جو لوگ رستم کے دربار میں گئے، اُن میں سے ایک ربعی بن عامر تھے۔ وہ دربار میں پہنچے تو رستم نے اُن سے کہا کہ تم لوگ کیوں ہمارے ملک میں آئے ہو۔ اِس سوال کے جواب میں ربعی بن عامر نے کہا: الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله (البداية و النهاية، 7/39) یعنی اللہ نے ہم کو بھیجا ہے، تاکہ جو چاہے، اُس کو ہم انسان کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت میں لے آئیں۔

اِس واقعے سے ایک اہم اصول اخذ ہوتا ہے اور وہ ہے فرقان کا اصول، یعنی دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھنا۔ صحابی کے قول کا مطلب یہ تھا کہ تم ہم کو حملہ آور نہ سمجھو، ہم دراصل تہذیبِ توحید کے نقیب (harbinger) بن کر آئے ہیں۔ ہم تمھارے لیے رحمت ہیں، نہ کہ کوئی مسئلہ۔

انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں جب نو آبادیاتی غلبہ کا دور آیا تو مسلم دنیا کے تمام رہنما، علما اور غیر علما دونوں اُن سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اِس لڑائی میں انھوں نے غیر معمولی قربانیاں پیش کیں، لیکن اس کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا۔ مسلم رہنما اگر صحابی رسول کی اِس مثال سے سبق لیتے اور اس کو موجودہ صورتِ حال پر منطبق کرتے اور وہ کہتے کہ یہ نو آبادیاتی قومیں سادہ طور پر صرف حملہ آور نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک نئی تہذیب کے نقیب (harbinger of a new civilization) ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اُن سے لڑنے کے بجائے، اُن سے نئے ترقیاتی ذرائع کو سیکھیں۔ ہمارے رہنما اگر اِس طرح ایک پہلو کو دوسرے پہلو سے الگ کرکے دیکھتے اور اِس کے مطابق، وہ اپنے عمل کی منصوبہ بندی کرتے تو آج امتِ مسلمہ کی تاریخ مختلف ہوتی۔ آج مسلمان شکر کرنے والا گروہ ہوتے، جب کہ آج مسلمان صرف شکایت اور احتجاج کرنے والا گروہ بنے ہوئے ہیں۔

دورِ جدید موافقِ اسلام دور

آج اسلام شدید خطرے میں ہے، وہ عصری طوفانوں کی زد میں ہے— یہ بات موجودہ زمانے میں تقریباً تمام مسلمان مختلف انداز میں دہرا رہے ہیں، مگر یہ بات جتنی زیادہ دہرائی جاتی ہے، اتنی ہی زیادہ وہ بے اصل ہے۔ جو لوگ یہ باتیں کہتے ہیں، ان کے بارے میں یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہ اسلام کو سمجھتے ہیں اور نہ عصری تقاضوں کو۔ اِس جملے میں پہلی غلطی یہ ہے کہ اس میں اسلام اور مسلم قوم دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا ہے۔ موجودہ زمانے میں اگر بالفرض کوئی خطرہ ہے تو وہ صرف مسلم قوم کے لیے ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں، کیوں کہ اسلام ایک دینِ محفوظ ہے، اللہ نے خود اس کی حفاظت کی ذمے داری لے لی ہے، اور جس دین کا محافظ خود اللہ تعالی ہو، اس کے لیے خطرے کا کوئی سوال نہیں۔ اِس واقعے کا ایک عملی ثبوت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں اسلام کے نام پر جو سرگرمیاں جاری ہیں، اتنی زیادہ سرگرمی اِس سے پہلے کبھی موجود نہ تھیں۔

یہی معاملہ دورِ جدید کا ہے۔ دورِ جدید اپنی حقیقت کے اعتبار سے، ایک موافقِ اسلام دور ہے، نہ کہ مخالفِ اسلام دور۔ دورِ جدید کو مخالفِ اسلام دور بتانا، صرف اِس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی دورِ جدید کی الف ب بھی نہیں جانتا۔ ایسا آدمی دراصل مسلم قومی ذہن کے تحت سوچ رہا ہے اور غلط فہمی کی بنا پر اس کو وہ اسلام کے اوپر منطبق کر رہا ہے۔

دورِ جدید کیا ہے، دورِ جدید عقلی طرزِ فکر (rational thinking) کا نام ہے، اور عقلی طرزِ فکر مکمل طور پر اسلام کے لیے مفید ہے۔ دورِ جدید مذہبی آزادی کا دور ہے، اور مذہبی آزادی مکمل طور پر اسلام کے لیے مفید ہے۔ دورِ جدید کمیونکیشن کا دور ہے، اور کمیونکیشن مکمل طور پر اسلام کے لیے مفید ہے۔ دورِ جدید پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے، اور پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا مکمل طور پر اسلام کے لیے مفید ہے، وغیرہ۔ ایسی حالت میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ دورِ جدید کے موافقِ اسلام پہلوؤں کو دریافت کر کے اس کو اسلام کے حق میں استعمال کریں۔

دورِ فتنہ کی واپسی

عبداللہ بن زبیر (وفات: 73ہجری) کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان آپس میں جنگ ہوئی۔ اُس زمانے میں مشہور صحابی عبداللہ بن عمر (وفات: 73ہجری) موجود تھے، لیکن انھوں نے اِس جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ اُس زمانے کا ایک واقعہ کتابوں میں اِس طرح آیا ہے: سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن عمر ہمارے پاس آئے۔ ایک آدمی نے اُن سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے فتنہ کے خلاف جنگ کے معاملے میں۔ عبداللہ بن عمر نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے جنگ کرتے تھے، اور مشرکوں کے یہاں جانا فتنہ تھا، نہ کہ تمھاری طرح اقتدار کے لیے جنگ کرنا (صحيح البخاري، رقم الحديث: 4651)

ایک اور روایت میں اِس طرح کے الفاظ آئے ہیں: نافع تابعی کہتے ہیں کہ فتنہ ابن زبیر کے زمانے میں دو آدمی عبداللہ بن عمر کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور آپ عمر بن الخطاب کے بیٹے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ کو کیا چیز اِس سے روک رہی ہے کہ آپ نکلیں اور اِس جنگ میں شریک ہوں۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ مجھے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ نے میرے بھائی کا خون میرے لیے حرام قرار دیا ہے۔ پھر اُن آدمیوں نے کہا: کیا اللہ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ: و قاتلوهم حتى لا تكون فتنة (8:39) یعنی اُن سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اِس کے بعد عبداللہ بن عمر نے کہا: قاتلنا حتى لم تكن فتنة، و كان الدين لله- و أنتم تريدون أن تقاتلوا حتى تكون فتنة، ويكون الدين لغير الله (ہم نے جنگ کی، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین، اللہ کے لیے ہو گیا۔ اور تم لوگ چاہتے ہو کہ تم جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ لوٹ آئے اور دین دوبارہ غیر اللہ کے لیے ہو جائے)۔ صحيح البخاري، رقم الحديث: 4513

نافع تابعی کہتے ہیں کہ ایک آدمی عبداللہ بن عمر کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمن، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ خدا نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم اُن کے

درمیان صلح کراؤ (49:9)۔ آپ کو اِس سے کیا چیز روکتی ہے کہ آپ وہ جنگ کریں جس کا حکم اللہ نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ تم مجھ کو اس آیت سے غیرت دلاتے ہو کہ مجھ کو لڑنا چاہئے، مگر مجھ کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ تم مجھ کو اُس آیت سے غیرت دلاؤ جس میں اللہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا (4:93)۔ اُس آدمی نے کہا کہ اللہ نے تو کہا ہے کہ تم اُن سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ وہ تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کر چکے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب کہ اسلام قلیل تھا، چناں چہ آدمی اپنے دین کی وجہ سے ستایا جاتا تھا۔ لوگ یا تو اہلِ دین کو قتل کر دیتے تھے یا وہ اس پر زیادتی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنہ باقی نہ رہا (صحيح البخاري، رقم الحديث: 4650)

اِس روایت میں "وكان الدخول عليهم فتنة" کے الفاظ آئے ہیں، یعنی مشرکین کے یہاں جانا ایک فتنہ تھا۔ یہ جانے والے کون لوگ ہوتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو موحد اور داعی تھے۔ جب وہ مشرکین کے یہاں موحد کی حیثیت سے اور توحید کے داعی کی حیثیت سے جاتے تو مشرکین اُن کو طرح طرح سے ستاتے تھے، کیوں کہ توحید کا عقیدہ مشرکین کے عقیدہ شرک کے خلاف تھا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ اُس زمانے میں مذہب، سیاسی اقتدار کا ایک حصہ بنا ہوا تھا۔ اِسی واقعے کو ایک قدیم مقولے میں اِس طرح کہا گیا ہے: الناس على دين ملوكهم (لوگ اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتے ہیں)۔

قدیم زمانے میں مذہب، ریاست (state) سے وفاداری کی علامت بن گیا تھا۔ جو آدمی بادشاہ کے مذہب پر ہو، وہ ریاست کا وفادار سمجھا جاتا تھا، اور جو آدمی ریاست کے مذہب پر نہ ہو، وہ ریاست کا باغی قرار پاتا تھا۔ شرک اور اقتدار کے اِس تعلق کی بنا پر قدیم زمانے میں وہ چیز پیدا ہوئی جس کو قرآن میں فتنہ کہا گیا ہے، یعنی مذہبی جبر (religious persecution)۔ یہ فتنہ یا مذہبی جبر خدا کے تخلیقی منصوبہ کے خلاف تھا۔ خدا کی منشا یہ ہے کہ لوگوں کو مذہب کے معاملے میں آزادیٔ اختیار (freedom of choice) حاصل ہو، تاکہ اُس کے مطابق، آخرت میں اُن کے مثبت یا منفی مستقبل کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اِس بنا پر اللہ تعالیٰ نے رسول اور اصحاب رسول کو یہ حکم دیا کہ اہلِ شرک اگر پُرامن نصیحت

کے ذریعے مذہبی جبر کے اِس کلچر کو ختم کرنے پر راضی نہ ہوں تو تم جنگ کر کے اِس کلچر کو ختم کر دو، تا کہ انسان کو اختیار کی آزادی حاصل ہو جائے، جو کہ منصوبہ تخلیق کے مطابق، لازمی طور پر مطلوب ہے۔ قرآن کے الفاظ (8:39) پر غور کیا جائے تو یہ حکم صرف استیصالِ فتنہ کے لیے تھا، وہ کسی قسم کے نظام (system) کی اقامت یا نفاذ کے لیے نہ تھا، یعنی یہ حکم سلبی معنوں میں تھا، نہ کہ ایجابی معنوں میں۔ اِس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مذہبی آزادی کی راہ میں جو رکاوٹ حائل ہے، وہ ختم ہو جائے۔ اِس کے بعد یہ آدمی کا اپنا معاملہ ہے کہ وہ اپنی آزادی کو خدا کی اطاعت کے لیے استعمال کرتا ہے، یا خدا سے انحراف کے لیے۔

فتنہ ابن زبیر میں شریک ہونے والوں سے عبداللہ بن عمر نے کہا تھا کہ: قاتلنا حتى لم تكن فتنة، و كان الدين لله - و أنتم تريدون أن تقاتلوا حتى تكون فتنة، ويكون الدين لغير الله۔ اِس کا مطلب، دوسرے لفظوں میں، یہ ہے کہ قرآن میں جنگ کا حکم صرف ایک مقصد کے لیے دیا گیا تھا اور وہ تھا مذہبی تعذیب (religious persecution) کو ختم کرنے کے لیے، اور اصحاب رسول نے جنگ کر کے اس کو ختم کر دیا۔ اب تم لوگ قرآن کی اِس آیت کے نام پر اقتدار کی جنگ کر رہے ہو، جس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ دنیا میں مذہبی تعذیب کی جگہ سیاسی تعذیب (political persecution) کا دور آجائے۔ یہ اصلاح کے نام پر صرف فساد ہے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

عبداللہ بن عمر کے اِس قول کو ایک حدیث کی روشنی میں سمجھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو انتباہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: إذا وضع السيف في أمتي، لم يرفع عنها إلى يوم القيامة (الترمذي، رقم الحديث: 2202) یعنی جب میری امت میں تلوار داخل ہو جائے گی تو وہ اُس سے قیامت تک نہ اٹھائی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیشین گوئی کی زبان میں اُس صورتِ حال کی خبر ہے جو بعد کے زمانے میں امت کے اندر بہت بڑے پیمانے پر ایک واقعہ بن گئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے تقریباً 25 سال بعد مسلمانوں کے درمیان ''اصلاحِ سیاست'' کے نام پر باہمی جنگ کا آغاز ہوا۔ اِس کو قدیم اصلاح کے مطابق، ''خروج'' کہا جاتا ہے۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ یہ سیاسی جنگ

ایک بار شروع ہونے کے بعد دوبارہ کبھی ختم نہ ہوئی۔ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت سے یہ جنگ امت مسلمہ کے اندر جاری ہے، کبھی ایک صورت میں اور کبھی دوسری صورت میں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان مذہب کے نام پر سیاست شروع ہوگئی۔ یہ طریقہ بلاشبہ اسلام کی اصل تعلیمات سے انحراف تھا۔ اگر اِس طریقے کو اسلام کا مطلوب طریقہ قرار دیا جائے تو کوئی کہنے والا جائز طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ — اسلام نے مذہبی تعذیب کو ختم نہیں کیا، بلکہ اسلام نے مذہبی تعذیب کی جگہ سیاسی تعذیب کا طریقہ رائج کر دیا۔ اِس طرح یہ ہوا کہ مذہبی تعذیب کا دور ختم ہوگیا، لیکن اس کی جگہ شدید تر انداز میں سیاسی تعذیب کا دور انسانی تاریخ میں واپس آ گیا۔ یہ دوسرا دور اب تک جاری ہے — اِس پورے دور کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ الفاظ (إذا وضع السيف في أمتي الخ) لفظ بلفظ درست ثابت ہوئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ قدیم مذہبی تعذیب صرف جبر کے زور پر قائم تھی، اُس کی پشت پر کوئی فلسفہ یا نظریہ موجود نہ تھا، اس لیے اُس کو ختم کرنا آسان تھا، مگر بعد کے زمانے میں سیاسی تعذیب کا جو طریقہ رائج ہوا، اس کے ساتھ ایک مبرّر (justification) موجود تھا۔ اُس کو اسلامی طور پر جائز کردہ تعذیب (Islamically justified persecution) کہا جاسکتا ہے۔ بعد کے دور میں پیدا ہونے والے تشدد کا یہی وہ نظریاتی پہلو ہے جس کی بنا پر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ شروع ہونے کے بعد وہ پھر کبھی ختم نہ ہوسکا۔ اِس معاملے میں اہم بات یہ ہے کہ قدیم طرز کا فتنہ صرف سیاسی جبر کا ایک فتنہ تھا، اُس کو جنگ کے ذریعے ختم کیا جاسکتا تھا، لیکن بعد کے زمانے میں پیدا ہونے والا فتنہ ایک نظریاتی فتنہ ہے، اس کو جنگ کے ذریعے ختم کرنا ممکن نہیں۔ اُس کو ختم کرنے کے لیے ایک طاقت ور جوابی نظریہ (counter ideology) درکار ہے۔ کوئی بھی دوسری تدبیر اِس دوسرے فتنے کو ختم کرنے کے لیے موثر (effective) نہیں ہوسکتی۔

بچوں کی تربیت

ایک مغربی ملک میں مقیم ایک مسلم خاندان نے اِس کا اظہار کیا کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے بچے کچھ دنوں کے لیے آکر ہمارے یہاں ٹھہریں اور ہم سے اسلامی تربیت حاصل کریں۔ میں نے اِس تجویز کو رد کر دیا۔ میرے نزدیک یہ تربیت کا ایک مصنوعی طریقہ ہے۔ اس دنیا میں کوئی بھی نتیجہ خیز کام صرف فطری طریقے کے مطابق، انجام پاتا ہے۔ غیر فطری طریقہ کسی بھی کام کے لیے ہرگز مفید نہیں۔

اِس سلسلے میں مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ اپریل 1981 میں ایک انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے تحت میں بار بیڈوز (Barbados) گیا تھا۔ اِس سلسلے میں وہاں کے مقیم مسلمانوں نے ایک مسجد میں میرا پروگرام رکھا۔ ایک صاحب اپنے ایک بچے کو اپنے ساتھ لے کر وہاں آئے۔ یہ بچہ جو تقریباً 12 سال کا تھا، وہ اصل اجتماع کے باہر ایک مقام پر اِس طرح بیٹھا کہ اس کی پیٹھ میری طرف تھی اور اس کا چہرہ دوسری طرف۔ ایک شخص نے اُس سے کہا کہ تم اِس طرح کیوں بیٹھے ہو، اندر چل کر لوگوں کے ساتھ بیٹھو۔ لڑکے نے نہایت بے پروائی کے ساتھ جواب دیا — می ناٹ (me not) یعنی مجھے اِس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ واقعہ موجودہ زمانہ کے تمام مسلم خاندانوں کے لیے ایک علامتی واقعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ محنت کر کے کماتے ہیں اور پھر محبت کے نام پر اپنی کمائی کا بڑا حصہ بچوں پر خرچ کرتے ہیں۔ مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ محبت نہیں ہے، بلکہ وہ لاڈ پیار (pampering) ہے۔ اور یہ ایک واقعہ ہے کہ بچوں کو بگاڑنے کا سب سے بڑا سبب یہی لاڈ پیار ہے۔

کسی بچے کا ابتدائی تقریباً 10 سال وہ ہے جس کو، نفسیاتی اصطلاح میں، تشکیلی دور (formative period) کہا جاتا ہے۔ یہ تشکیلی دور بے حد اہم ہے، کیوں کہ اِس تشکیلی دور میں کسی کے اندر جو شخصیت بنتی ہے، وہ بے حد اہم ہے۔ یہی شخصیت بعد کی پوری عمر میں باقی رہتی ہے۔ اِسی حقیقت کو ایک عربی مقولے میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے: من شَبَّ علی شیءٍ شاب علیه (آدمی جس چیز پر جوان ہوتا ہے، اُسی پر وہ بوڑھا ہوتا ہے)۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تشکیلی دور (formative period) میں نام نہاد محبت کے ذریعے بچوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ آج کل کے تمام والدین اپنے بچوں کو می ناٹ بچے (me not children) بنا دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے کسی کرشمہ ساز تربیتی طریقے (charismatic method of training) کے ذریعے اصلاح یافتہ بن جائیں۔

میرے تجربے کے مطابق، اصل مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے والدین اپنے بچوں کی تربیت کے معاملے میں سنجیدہ نہیں۔ اِس معاملے میں اگر کوئی باپ زیادہ سے زیادہ سوچ پاتا ہے تو وہ صرف یہ کہ وہ اپنے بیٹے کو گول ٹوپی اور اپنی بیٹی کو اسکارف پہنا دے اور پھر خوش ہو کہ اُس نے اپنی اولاد کو اسلامی تربیت سے مزیّن کر دیا ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنے بچوں کی تربیت کے معاملے میں سنجیدہ ہو تو اس کے لیے میں چند عملی مشورے یہاں درج کروں گا۔

1۔ محبت کے نام پر لاڈ پیار (pampering) کو وہ اِس طرح چھوڑ دیں جیسے وہ کسی حرام کو چھوڑتے ہیں۔ محبت کے نام پر جو لاڈ پیار کیا جاتا ہے، اُس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ بچے کو زندگی کے حقائق (realities) سے بالکل بے خبر کر دیتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے کے اندر حقیقت پسندانہ طرز فکر (realistic approach) نشوونما نہیں پاتا۔ مزید یہ کہ اِس کے نتیجے میں بچے کے اندر ایک خود پسند شخصیت (self-centered personality) تشکیل پاتی ہے، جو کسی آدمی کے لیے کامیاب زندگی کی تعمیر میں بلاشبہہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

2۔ اِس سلسلے میں یہ بات بہت زیادہ قابلِ لحاظ ہے کہ بچے کی عمر کا ابتدائی تشکیلی دور ماں باپ کے ساتھ گزرتا ہے۔ اِس دور میں بچے کے اندر جو شخصیت بنتی ہے، وہ ہمیشہ بدستور اس کے اندر باقی رہتی ہے۔ والدین کو جاننا چاہیے کہ اِس ابتدائی تشکیلی دور میں اگر انھوں نے بچے کی تربیت میں غلطی کی تو بعد کے زمانے میں اس کی تلافی کبھی نہ ہو سکے گی۔ بعد کے زمانے میں ایسے کسی شخص کی اصلاح کی صرف ایک ممکن صورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس کو شدید نوعیت کا کوئی ہلا دینے والا تجربہ (shocking experience) پیش آئے جو اس کے لیے ایک نقطۂ انقلاب (turning point) بن جائے، مگر بہت کم لوگوں کو اِس

قسم کا ہلا دینے والا تجربہ پیش آتا ہے، اور ایسا ہلا دینے والا تجربہ مزید نادر (rare) ہے، جب کہ وہ آدمی کے لیے مثبت انقلاب کا سبب بن جائے۔

3- اپنے تجربے کی روشنی میں ایسے والدین کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ہمارے یہاں کا مطبوعہ لٹریچر اہتمام کے ساتھ پڑھوائیں، صرف ایک بار نہیں، بلکہ بار بار۔ اِسی کے ساتھ وہ کوشش کریں کہ اُن کے بچے ہمارے یہاں کے تیار شدہ آڈیو کیسٹ اور ویڈیو کیسٹ دیکھیں اور سنیں۔ مزید یہ کہ دہلی میں ہونے والا ہمارا ہفتے وار لکچر کا پروگرام پابندی کے ساتھ سنیں جو کہ ہر سنڈے کی صبح کو انڈین ٹائم کے اعتبار سے ساڑھے دس بجے شروع ہوتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہتا ہے۔

4- یہ لازمی نوعیت کا ابتدائی پروگرام ہے۔ جو والدین اپنے بچوں کی اصلاح وتربیت کے خواہش مند ہوں، اُن کو لازماً اِسے اختیار کرنا چاہئے۔ اگر وہ اِس کو اختیار نہ کریں تو کوئی بھی جادوئی تدبیر بچوں کی اصلاح کے لیے کارآمد نہیں ہوسکتی۔

مولانا وحید الدین خاں کے ہفتے وار ویڈیو لکچرز کے لیے ملاحظہ ہو:
http//:www.cpsglobal.org/content/video-streams

دعوتی مقصد کے لیے مشرقی یوپی، خاص طور پر لکھنؤ اور اطراف کے قارئین، حسب ذیل پتے پر رابطہ قائم کریں:

Hafiz Mohammad Salman Noori
Madrasa S. Umar Farooq, Rustam Nagar, Chawk, Lucknow-226 003
Mob. +91-9839801027, E-mail: msuflko@gmail.com

الرسالہ مشن کے ذریعے آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے، ہم آپ کی زبان میں اس کو مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اِس سلسلے میں اپنے تجربات اور واقعات اردو یا انگریزی میں، نام اور پتے کی مکمل تفصیل کے ساتھ، واضح اور متعین انداز میں لکھ کر حسب ذیل پتے پر روانہ فرمائیں:

Al-Risala
I, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083, 46521511, E-mail: znadwi@yahoo.com

بے فائدہ عمل

امریکا کی ایک کمپنی نے ایک فلم بنائی۔ اِس فلم کا نام تھا— مسلمانوں کی معصومیت (*Innocence of Muslims*)۔ ستمبر 2012 میں اِس فلم کا ایک مختصر حصہ انٹرنیٹ پر ڈال دیا گیا۔ کچھ مسلمانوں نے اس کو دیکھا۔ پھر مسلمانوں کے درمیان بڑے پیمانے پر اس کا چرچا ہوا۔ مسلمانوں نے کہا کہ اِس فلم میں پیغمبر اسلام کی توہین کی گئی ہے۔ اِس پر ساری دنیا کے مسلمان بھڑک اٹھے اور مختلف ملکوں میں وہ اس فلم کے خلاف پرشور مظاہرے کرنے لگے۔ اِن مظاہروں کے درمیان جان و مال کا شدید نقصان ہوا۔

نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (14 ستمبر 2012) میں ایک رپورٹ چھپی ہے۔ اِس رپورٹ کا ایک حصہ یہ ہے— حقیقت یہ ہے کہ کچھ ہی لوگوں نے اِس فلم کو چند منٹ سے زیادہ دیکھا ہوگا، اور یہ امر سخت مشتبہ ہے کہ یہ فلم کبھی مکمل کی جاتی۔ لیکن اس کا تھوڑا سا حصہ جو آن لائن کیا گیا، اس میں اتنا بھونڈا پن اور مصنوعیت ہے کہ کوئی بھی اس کو سنجیدگی سے نہ لیتا، مگر مسلمانوں کے مظاہروں نے اس فلم کو عالمی طور پر شہرت دے دی:

> In fact, few people have seen more than a few minutes of the film, and there are doubts if it was even completed. But the little that is online is so crude and contrived that it was not even taken seriously till Islamist mobs made it world-famous. (p. 26)

اِس طرح کے فتنے کو قرآن میں شجرِ خبیثہ (14:26) کہا گیا ہے، یعنی وہ فتنہ جو اپنے آپ مرجانے والا ہو۔ ایسے فتنے کے بارے میں دانش مندی یہ ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جو فتنہ اپنے آپ مرجانے والا ہو، اس کو مارنے کی کیا ضرورت۔ مگر عجیب بات ہے کہ مسلمان بار بار اِس قسم کی بے دانشی کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو حضرت عمر فاروق نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا: أمیتوا الباطل بالصمت عنه۔ یعنی باطل کو ہلاک کرو اُس کے بارے میں چپ رہ کر۔

شتمِ رسول کا مسئلہ

ستمبر 2012 میں امریکا میں ایک فلم بنائی گئی۔ اِس فلم کا نام تھا —— انوسنس آف مسلمس۔ اِس فلم میں ایسے مناظر دکھائے گئے تھے جو مسلمانوں کی نظر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ''گستاخی'' کے ہم معنی تھے۔ اِس کے بعد دنیا بھر کے مسلمان بھڑک اٹھے۔ شرق سے غرب تک، ہر جگہ اس کے خلاف پرشور احتجاج ہونے لگا۔ ہر جگہ دھوم کے ساتھ جذباتی مظاہرے اور تقریریں کی گئیں۔ اِن مواقع پر مسلمان جگہ جگہ اپنے مظاہروں کے دوران جو پلے کارڈ (placard) بلند کیے ہوئے تھے، اُن کی نوعیت کا اندازہ اُن پر لکھے ہوئے حسب ذیل الفاظ کے ذریعے کیا جاسکتا ہے:

Obama, Obama, we like Osama!
Behead all those who insult the Prophet!
Insulting the Prophet is insulting 1.5 billion Muslims!
The Prophet is dearer to us than our lives!

اِس سلسلے میں دنیا کے مختلف ملکوں میں جو پرشور مظاہرے کئے گئے، اُن میں سے ایک پاکستان کا وہ مظاہرہ تھا جو 28 ستمبر 2012 کو 'یومِ عشقِ رسول' کے طور پر منایا گیا۔ اِس واقعے کی رپورٹ لاہور کے ہفت روزہ سنڈے میگزین نوائے وقت (30 ستمبر 2012) میں شائع ہوئی ہے۔ اِس رپورٹ کے کچھ حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں: ''پاکستانی قوم نے جمعہ کو یومِ عشقِ رسول منایا۔ گستاخانہ امریکی فلم کے خلاف ''یومِ عشقِ رسول'' پر عوامی ردعمل کے دوران غیر معمولی توڑ پھوڑ اور تشدد کے واقعات ہوئے۔ اِن پر تشدد واقعات میں صرف جمعہ کو 32 افراد جاں بحق ہوئے اور 200 سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ کراچی میں 5 سینما گھر، تین بینک اور لاتعداد دکانیں لوٹنے کے بعد جلادی گئیں، گاڑیوں کو توڑا گیا، لوگوں پر ڈنڈے برسائے گئے، 4 پولیس موبائلیں اور بکتر بند گاڑیاں بھی جلادی گئیں۔ اس دوران اسپتالوں پر بھی حملے کئے گئے اور اربوں روپے کی املاک دھوئیں کی نذر ہوگئیں''۔ (صفحہ: 4)

''گستاخی رسول'' کے سوال پر اِس طرح کے پرتشدد واقعات مسلمانوں کی طرف سے ہر جگہ ہورہے ہیں، پاکستان میں بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی۔ اِن واقعات کی رپورٹ برابر پرنٹ میڈیا

اور الیکٹرانک میڈیا دونوں میں آرہی ہے۔ اِس صورتِ حال کو دیکھ کر ساری دنیا میں ایک سوال کیا جارہا ہے، وہ یہ کہ — پُرامن گستاخی کے جواب میں مسلمان خود پر تشدد گستاخ کیوں بن جاتے ہیں، رسول کی شان میں ''گستاخی'' کرنے والا صرف یہ کرتا ہے کہ وہ اِس قسم کی ایک کتاب شائع کرتا ہے، یا اخبار میں ایک کارٹون چھاپ دیتا ہے، یا ایک فلم بنا کر اس کو انٹرنیٹ پر ڈال دیتا ہے۔ یہ اگر گستاخی ہے تو وہ یقینی طور پر ایک پرامن گستاخی ہے، لیکن اس کے جواب میں مسلمان جو کچھ کرتے ہیں، وہ مبیّنہ طور پر ایک پرتشدد ردِعمل یا پرتشدد گستاخی کا معاملہ ہے۔

پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی شریعت دی ہے، اُس میں واضح طور پر اِس طرح کے معاملات میں ایک اصول بتایا گیا ہے، وہ اصول قِصاص (2:178) کا اصول ہے، یعنی برابر کا بدلہ (equal retribution)۔ قصاص کی تعریف (definition) قرآن میں اِن الفاظ میں دی گئی ہے: وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به، ولئن صبرتم لهو خير للصابرين (16:126)۔ تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تمھارے ساتھ کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک اور آیت کے الفاظ یہ ہیں: وجزاء سيّئةٍ سيّئةٌ مثلها، فمن عفا وأصلح فأجره على الله، إنه لا يحب الظلمين (42:40) یعنی برائی کا بدلہ ہے ویسی ہی برائی، پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

دو آپشن

قرآن کی مذکورہ آیتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کے معاملے میں اہل ایمان کے لیے دو میں سے ایک کا آپشن (option) ہے — ایک، عفو اور صبر کا آپشن اور دوسرا، قصاص کا آپشن۔ اِس طرح کے معاملے میں مسلمانوں کے لیے اِنھیں دو میں سے ایک کا آپشن جائز ہے، اس کے سوا کوئی تیسرا آپشن لینا اُن کے لیے سرے سے جائز ہی نہیں۔ قتل کے معاملے میں اسلامی شریعت کا ایک مسلّمہ قانون یہ ہے کہ زمانہ جنگ میں بھی صرف مقاتل (combatant) کو مارا جائے گا، غیر مقاتل (non-combatant) کو مارنا جنگ کے زمانے میں بھی جائز نہیں۔ ایسی حالت میں

اسلام کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ امن کی حالت میں غیر مقاتل یا پرامن افراد کو مارا جائے۔

عفو اور صبر کے آپشن کا مطلب یہ ہے کہ آپ پیش آمدہ معاملے پر ردعمل کی نفسیات کے تحت نہ سوچیں، بلکہ اصلاح کی نفسیات کے تحت سوچیں۔ آپ یہ سوچیں کہ جو شخص اِس ''گستاخی'' میں ملوث ہوا ہے، وہ بھی ایک انسان ہے۔ اس کے اندر بھی وہی فطرت موجود ہے جو دوسرے انسانوں کے اندر ہوتی ہے۔ اِس لیے آپ ہمدردانہ انداز میں اس کی فطرت کو ایڈریس کرنے کی کوشش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی اصلاح ہوجائے اور وہ توبہ کرکے اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہوجائے۔

اِس معاملے میں دوسرا آپشن وہ ہے جس کو قرآن میں قصاص کہا گیا ہے۔ یہ ثانوی درجے کا آپشن ہے۔ اِس کی حیثیت صرف ایک قانونی جواز کی ہے۔ جہاں تک اسوہ رسول کا معاملہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طرح کے معاملے میں ہمیشہ عفو اور صبر اور اصلاح کے طریقے کو اختیار فرمایا، کیوں کہ یہی طریقہ عزیمت اور خُلقِ عظیم کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ اِس سلسلہ کلام کے تحت اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے: ولمن صبر وغفر إن ذلك لمن عزم الأمور (42:43) یعنی جس شخص نے صبر کا طریقہ اختیار کیا اور معاف کردیا تو بے شک یہ بڑی عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔

جراحت (harm) کی دو قسمیں ہیں — ایک، جسمانی جراحت (physical harm) اور دوسرے، نفسیاتی جراحت (psychological harm)۔ دونوں قسم کی جراحتوں کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ قرآن کی مذکورہ آیتوں کے مطابق، جسمانی جراحت کی صورت میں ہمارے لیے دو آپشن ہیں — قصاص، اور عفو۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، قصاص کا مطلب ہے: برابر کا بدلہ لینا، یعنی جتنا کسی نے کیا ہے، ٹھیک اتنا ہی اس کے ساتھ کرنا۔ اِس کے مقابلے میں، عفو کا مطلب ہے: یک طرفہ طور پر صبر کرلینا، نہ کوئی عملی کارروائی کرنا اور نہ زبان سے اس کے خلاف شکایت یا احتجاج کے الفاظ بولنا۔ گویا اسلامی تعلیم کے مطابق، جسمانی جراحت کی صورت میں اہلِ ایمان کے لیے دو آپشن ہیں، لیکن نفسیاتی جراحت کی صورت میں اُن کے لیے صرف ایک آپشن ہے، اور وہ صبر کا آپشن ہے۔

قصاص کا اصول

جیسا کہ عرض کیا گیا، اِس طرح کے معاملے میں قصاص کا آپشن ثانوی آپشن ہے۔ اگر مسلمانوں کو قصاص کا آپشن لینا ہے تو لازمی طور پر انھیں یہ کرنا ہوگا کہ وہ فریقِ ثانی کے ساتھ برابر کا معاملہ کریں، یعنی یہ کہ جتنا کسی نے کیا ہے، مسلمان بھی اس کے خلاف اتنا ہی کریں۔ اگر کسی شخص نے ایک کتاب چھاپی ہے تو مسلمان بھی اس کے جواب میں ایک کتاب شائع کریں۔ کسی نے اگر کوئی قابلِ اعتراض آرٹکل یا کارٹون چھاپا ہے تو اس کے جواب میں مسلمان بھی اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے ایک اور آرٹکل چھاپیں۔ اگر کسی نے اسٹیج پر ایک تقریر کی ہے تو مسلمان بھی اس کے جواب میں اسٹیج پر ایک تقریر کریں۔ اگر کسی نے ایک اخباری بیان دیا ہے تو مسلمان بھی اس کے جواب میں ایک مدلل اخباری بیان دیں۔ مسلمان اگر اِس طرح کے معاملے میں پیغمبر کے اسوہ کے مطابق، عفو وصبر کا طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تو اسلامی شریعت کے مطابق، اُن کو صرف یہ حق ہے کہ وہ قلم کا جواب قلم سے دیں اور تقریر کا جواب تقریر سے دیں۔ اِس کے برعکس، قلم کا جواب پرتشدد مظاہرہ کے ذریعے دینا یا پرامن اعتراض کے جواب میں توڑ پھوڑ کرنا ایک ایسا فعل ہے جو بلاشبہہ حرام کے درجے میں قابلِ ترک ہے۔ رسول اور اصحاب رسول کی مثال سے یہی طریقہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مخالفین نے بہت بڑے پیمانے پر وہ سب کچھ کیا جس کو ''دشنامِ رسول'' کہا جاتا ہے، مگر رسول اور اصحابِ رسول نے کبھی اس کے جواب میں احتجاج اور ہنگامے کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اِس کے برعکس جو کچھ ہوا، وہ صرف یہ تھا کہ حسان بن ثابت انصاری اپنے اشعار کے ذریعے سے اس کا جواب دیتے تھے۔ واضح ہو کہ اُس زمانے میں شاعری کا وہی درجہ تھا جو موجودہ زمانے میں صحافت کا درجہ ہے۔

پرامن احتجاج

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ احتجاج (protest) ہمارا ایک مسلّمہ حق ہے، اِس لیے مسلمانوں کو لازماً اِس طرح کے واقعات پر احتجاج کرنا چاہئے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اُن کا یہ احتجاج پرامن ہو۔ مگر یہ شرط ایک ایسی شرط ہے جو عملاً کبھی پوری ہونے والی نہیں۔ عوامی احتجاج میں دو میں سے ایک برائی کا

پیش آنا یقینی ہے، یا تو وہ بظاہر پرامن احتجاج کسی مرحلے میں پہنچ کر لوگوں کو مشتعل کردے گا اور پرامن احتجاج فوراً ہی پرتشدد احتجاج میں تبدیل ہوجائے گا۔ آغاز میں بظاہر وہ ایک پرامن احتجاج کی حیثیت سے شروع ہوگا، لیکن آخر میں وہ توڑ پھوڑ اور فساد اور تخریب کی شکل اختیار کرلے گا، جس کی ایک مثال پاکستان کے مذکورہ احتجاجی واقعے میں نظر آتی ہے۔

اگر بالفرض کوئی احتجاج واقعۃً پرامن احتجاج ہو، وہ اول سے آخر تک امن کی شرط پر قائم رہے، تب بھی عملاً وہ ایک فساد کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے نتیجے میں وہ سنگین برائی پیدا ہوتی ہے جس کو باہمی نفرت کہا جاتا ہے، اور نفرت بلاشبہ ایک منفعل تشدد (passive violence) ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تشدد اگر ایک بم ہے تو نفرت ایک ٹائم بم (time-bomb)۔

احتجاج کا حق

''شتمِ رسول'' کے مسئلے پر ساری دنیا کے مسلمان پُرشور احتجاج (protest) کررہے ہیں۔ اِس پُرشور احتجاج کے جواز کے لیے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ — حقوقِ انسانی (human rights) کے مسلّمہ اصول کے تحت احتجاج ہمارا ایک جائز حق ہے۔

سڑکوں پر احتجاجی جلوس نکالنا کوئی سادہ بات نہیں۔ گہرائی کے ساتھ غور کیجئے تو یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کو رسول اور اصحابِ رسول نے کبھی اختیار نہیں کیا۔ مسلمان آج جس طرح کے واقعات پر جگہ جگہ احتجاجی جلوس نکالتے ہیں، اُس طرح کے ناخوش گوار واقعات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ بڑے پیمانے پر موجود تھے۔ مثلاً مقدس کعبہ میں مشرکین کی طرف سے سیکڑوں کی تعداد میں بتوں کا نصب کیا جانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلے طور پر، نعوذ باللہ، مذمّم اور مجنون کہنا، وغیرہ۔ مگر حدیث اور سیرت کی کتابوں سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور اصحابِ رسول نے کبھی اُس کے خلاف احتجاج کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ رسول اور اصحابِ رسول کے اِس ثابت شدہ عمل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ احتجاج کا طریقہ یقینی طور پر اسلام کا طریقہ نہیں۔

پھر احتجاج کا طریقہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو کہاں سے ملا۔ یہ طریقہ انھوں نے حقوقِ انسانی کی

جدید شریعت سے اخذ کیا ہے۔ یہ انسانی شریعت کی ایک دفعہ ہے جس کو 1948 میں اقوامِ متحدہ کے یونی ورسل ڈیکلریشن (universal declaration) کے ذریعہ وضع کیا گیا۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ زندگی کے دو طریقے ہیں — ایک ہے، حبل اللہ کے تحت جینا، اور دوسرا ہے، حبل الناس کے تحت جینا (3:112)۔ حبل اللہ کے تحت زندگی کا حق ملنا کسی امت کی مطلوب حالت ہے، اور حبل الناس کے تحت زندگی کا حق ملنا سرتاسر غیر مطلوب حالت۔ قرآن میں حبل اللہ اور حبل الناس کے الفاظ کسی امت کی دو مختلف حالتوں کو بتانے کے لیے آئے ہیں۔ امت کی ایک حالت وہ ہے جب کہ اس کے اندر خوفِ خدا کی روح موجود ہو اور وہ اپنے عمل کا نقشہ حبل اللہ، بالفاظِ دیگر، خدائی تعلیمات (قرآن وسنت) سے اخذ کرے، اور حبل الناس کا مطلب یہ ہے کہ امت بے خوفی کی نفسیات میں مبتلا ہوگئی ہو اور اتباعِ شہوات (19:59) کی بنا پر وہ اپنے عمل کا نقشہ تعلیمات الٰہی سے اخذ کرنے کے بجائے انسان کے وضع کردہ ضابطوں سے اخذ کرنے لگے۔

حبل اللہ اور حبل الناس کی اِس قرآنی تقسیم کے مطابق دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ زمانے کے مسلمان خود اپنی زبان سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اِس معاملے میں وہ حبل اللہ پر قائم نہیں ہیں، بلکہ وہ حبل الناس پر قائم ہیں۔ وہ اپنے بگڑے ہوئے مزاج کی بنا پر اپنی احتجاجی روش کا جواز حبل اللہ میں نہ پا کر اس کو حبل الناس سے اخذ کر رہے ہیں، اور اپنے بگڑے ہوئے مزاج کی بنا پر وہ یہ کر رہے ہیں کہ اپنی غیر اسلامی روش کے لیے وہ حبل اللہ کے بجائے حبل الناس کا حوالہ دے رہے ہیں، جو کہ ان کی قومی خواہشات کے مطابق ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن میں اتباعِ شہوات کہا گیا ہے۔

یہ کوئی سادہ بات نہیں۔ آپ قرآن کی مذکورہ آیت (3:112) کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس میں کس گروہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ حبل اللہ کے بجائے حبل الناس سے اپنے لیے زندگی کا حق حاصل کر رہا ہے، یہ بلاشبہہ ایک نہایت سنگین بات ہے۔ اِس طرح مسلمان اپنے آپ کو اُس گروہ کے ساتھ بریکٹ کر رہے ہیں جس کے بارے میں وہ خود صبح وشام یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک ایک مغضوب اور ملعون گروہ کی حیثیت ہے۔

فطرت کی آواز

ایک خبر کے مطابق، آر ایس ایس کے سابق سرسنگھ چالک سی کے سدرشن (85 سال) 20 اگست 2012 کو عید الفطر (1433 ہجری) کے دن بھوپال میں علی الصبح اپنی قیام گاہ سے نکل کر بھوپال کی تاریخی مسجد (تاج المساجد) کی طرف روانہ ہوگئے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کے لیے تاج المساجد جارہے ہیں۔ اس سے کئی انتظامی مسئلے پیدا ہوگئے، اسی لیے مدھیہ پردیش کے ایک سینئر بی جے پی لیڈر نے مداخلت کی۔ اس کے بعد مسٹر سدرشن کو ایک مقامی مسلمان کے گھر لے جایا گیا۔ وہاں انھوں نے کئی مسلمانوں سے مصافحہ کیا اور ان کو عید کی مبارک باد دی اور عید کی سوئیاں کھائیں۔ مسٹر سدرشن نے اس سے پہلے ایک بار انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ انھیں مسلمانوں کا طریقِ عبادت بہت اچھا لگتا ہے۔ لوگوں کا ایک صف میں کھڑا ہونا، ایک ساتھ ہاتھ باندھنا، ایک ساتھ جھکنا اور ایک ساتھ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھنا اُن کو بہت متاثر کرتا ہے۔ ان کو یہ طریقِ عبادت ڈسپلن کی بہترین مثال معلوم ہوتا ہے۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ 1950 میں پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ یوپی کے ایک وزیر مسٹر گووند سہائے کا ہے۔ وہ آر ایس ایس کے خصوصی ممبر تھے۔ بعد کو انھوں نے آر ایس ایس کو چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی تھی کہ ان کو مسلمانوں کے خلاف آر ایس ایس کی انتہا پسندانہ پالیسی غیر حقیقی نظر آتی تھی۔ انھوں نے آر ایس ایس چھوڑنے کے بعد اس موضوع پر ایک کتاب (*Why I Left RSS*) لکھی۔ (راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی، 23 اگست 2012، صفحہ 7)

اس طرح کے واقعات بتاتے ہیں کہ دینِ حق اور دوسرے لوگوں کے درمیان ایک فطری 'کلمہ سواء' (natural common ground) موجود ہے۔ دینِ حق کے حاملین کے لیے بہترین آغازِ کار یہ ہے کہ وہ اس فطری کلمہ سواء کو استعمال کرتے ہوئے اپنا کام کریں۔ یہ بلاشبہہ ایک بہترین طریقِ کار ہے۔ مگر اس امکان کو کامیاب طور پر استعمال کرنے کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ طرفین کے درمیان کشیدگی کا ماحول نہ ہو، بلکہ معتدل ماحول ہو۔ طرفین کے درمیان کشیدگی یا غیر معتدل ماحول میں اس کام کو انجام نہیں دیا جاسکتا۔

تاریخ انسانی کا خاتمہ

12 اگست 2012 کو امریکا کی ایک خبر تمام اخباروں میں نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ وہ خبر یہ تھی کہ ایک امریکی صحافی کو نظریاتی سرقہ (plagiarism) کا مرتکب پایا گیا اور اِس بنا پر اس کو اس کے صحافتی جاب سے فوری طور پر معطل کر دیا گیا۔ اس خبر کی سرخی یہ تھی:

American journalist suspended for plagiarism.

نظریاتی سرقہ (plagiarism) کیا ہے، وہ دراصل کسی شخص کی فکری پراپرٹی (intellectual property) کا سرقہ کرنے کا نام ہے۔ نظریاتی سرقہ یہ ہے کہ کسی شخص کے آئڈیا کو اصل مصنف کے حوالے کے بغیر اپنا بنا کر نقل کیا جائے:

Plagiarism: Copying someone's idea without crediting the original author. *(Merriam-Webster Dictionary)*

یہ معاملہ امریکا کے مشہور صحافی مسٹر فرید زکریا کا ہے۔ وہ امریکی میگزین ٹائم (Time) کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے ٹائم کے شمارہ 20 اگست 2012 میں اپنا ایک مضمون گن کلچر کے موضوع پر شائع کیا۔ اِس کا عنوان یہ تھا: The Case for Gun Control

اِس مضمون میں انھوں نے ایک پیراگراف شامل کیا تھا جو پورا کا پورا، ایک اور شائع شدہ مضمون سے لیا گیا تھا۔ یہ دوسرا مضمون امریکا کی ایل (Yale) یونی ورسٹی کی ایک خاتون پروفیسر جل لیپور (Jill Lepore) کا تھا، جس کو مسٹر فرید زکریا نے بلا حوالہ اپنے مضمون میں شامل کر لیا تھا۔ یہ مضمون امریکا کے ایک اخبار نیویارکر (*The New Yorker*) کے شمارہ 22 اپریل 2012 میں اس عنوان کے تحت چھپا تھا— Battleground America

نظریاتی سرقہ کا یہ واقعہ جو عالمی میڈیا میں آیا ہے، وہ کوئی سادہ واقعہ نہیں۔ وہ دراصل اِس قسم کے ایک زیادہ بڑے سرقہ (super plagiarism) کے لیے ایک یاددہانی (reminder) کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایک انسان کی برخاستگی کے حوالے سے یہ یاد دلا رہا ہے کہ شاید وہ وقت آ گیا ہے

جب کہ کائنات کا مالک پوری تہذیب کو برخاست کردے۔

سترھویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا میں روایتی دور قائم تھا۔ اس کے بعد دنیا میں سائنٹفک دور کا آغاز ہوا۔ سائنٹفک دور سے مراد وہ دور ہے جب کہ انسان نے نیچر (nature) پر آزادانہ غور وفکر شروع کیا۔ اِس غور وفکر کے بعد یہ ہوا کہ نیچر میں چھپے قوانین ایک کے بعد ایک دریافت ہونے لگے۔ مثلاً پانی میں اسٹیم پاور کی دریافت، اور مادّہ (matter) میں بجلی (electricity) کی دریافت، وغیرہ۔ جدید دنیا، خاص طور پر مغربی دنیا میں کئی سو سال تک اِس موضوع پر ریسرچ جاری رہی، یہاں تک کہ فطرت میں چھپے ہوئے ہزاروں قوانین دریافت ہوگئے۔ اِن کے ذریعے ایک نئی ٹکنالوجی بنی اور بہت سے نئے فنی علوم وجود میں آئے۔ وہ ظاہرہ جس کو جدید مغربی تہذیب کہا جاتا ہے، اس کی تشکیل تمام تر انھیں دریافت کردہ قوانین فطرت پر مبنی ہے۔

یہ قوانین جو موجودہ زمانے میں معمارانِ تہذیب نے دریافت کیے، اُن کو سائنسی قوانین (scientific laws) کہا جاتا ہے۔ مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے، یہ سائنسی قوانین نہیں ہیں، بلکہ وہ خدائی قوانین (divine laws) ہیں۔ خدائی قوانین کو نظامِ فطرت سے لینا اور اُن کو سائنس قوانین کے نام پر اپنا بنا کر پیش کرنا، یہ بلاشبہہ ایک سپر سرقہ (super plagiarism) کا کیس ہے۔ تہذیب جدید کے معماروں کا یہ واقعہ بھی بلاشبہہ اِسی قسم کا ایک سرقہ ہے۔ امریکی صحافی کا سرقہ اگر جرنلسٹک سرقہ (journalistic plagiarism) تھا تو معمارانِ تہذیب کا سرقہ سائنٹفک سرقہ (scientific plagiarism) ہے۔ امریکی صحافی نے تو صرف اپنے ایک آرٹکل میں نظریاتی سرقہ کا ارتکاب کیا تھا، جب کہ مغربی تہذیب کا پورا کا پورا ڈیولپمنٹ اِسی قسم کے عظیم تر نظریاتی سرقہ کی بنا پر ہوا ہے۔ امریکی جرنلسٹ کا سرقہ اگر صرف ایک انفرادی سرقہ تھا تو مغربی تہذیب کا سرقہ اس کے مقابلے میں ایک عالمی سرقہ (global plagiarism) کی حیثیت رکھتا ہے۔

دنیا سے انسان کے بے دخلی

تہذیب کی ترقی کے نام پر مذکورہ سائنسی سرقہ کئی سو سال سے بڑے پیمانے پر ساری دنیا میں

جاری ہے، مگر اِس مدت میں اہلِ تہذیب کے درمیان کوئی شخص نہیں اٹھا جو یہ اعلان کرے کہ یہ تمام تہذیبی ترقیاں خدائی قوانین (divine laws) کی بنا پر ممکن ہوئی ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ ہم کھلے طور پر اِس حقیقت کا اعتراف کرلیں۔ بے اعترافی کا یہ معاملہ اب اپنی آخری حد پر پہنچ چکا ہے۔ اب آخری طور پر وہ وقت آ گیا ہے، جب کہ کائنات کا خالق انسان کو زمین کے چارج سے بے دخل کردے اور زمین کا اور پوری دنیا کا نظام حقیقتِ واقعہ کی بنیاد پر قائم کرے۔

دنیا کا یہ انجام پیشگی طور پر مقدر تھا۔ خدا نے پیشگی طور پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب کہ انسان کو زمین کے چارج سے بے دخل کر دیا جائے اور دنیا کا نیا نظام بنایا جائے۔ اِس سلسلے میں قرآن کا ایک بیان یہ ہے: **وما قدروا الله حق قدره، والأرض جميعا قبضته يوم القيامة، والسماوات مطويّات بيمينه، سبحانه وتعالى عما يشركون** (39:67)۔

اِس آیت میں 'قدر' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قدر کا مطلب ہے اندازہ کرنا، یعنی انسان جو کچھ دنیا میں کر رہا ہے، وہ اِس لیے کر رہا ہے کہ اس نے خالق کا کم تر اندازہ (under-estimation) کر رکھا ہے۔ یہ کم تر اندازہ کیا ہے، اِس کم تر اندازہ کو قرآن کی ایک آیت میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے: **افحسبتم أنما خلقنا كم عبثاً وأنكم إلينا لا ترجعون** (23:115) یعنی کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے۔

اس سلسلے میں حدیث کی کتابوں میں ایک روایت آئی ہے۔ یہ روایت قرآن کی مذکورہ آیت (وما قدروا الله حق قدره) کی مزید تشریح کرتی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عمر أن رسول الله صلي الله عليه وسلم قرأ هذه الآية ذات يوم على المنبر "وما قدروا الله حق قدره، والأرض جميعاً قبضته يوم القيامة والسماوات مطويات بيمينه، سبحانه وتعالى عما يشركون" ورسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هكذا بيده ويحركها يقبل بها أو يدبر يمجد الرب نعته: أنا الجبار، أنا المتكبر، أنا الملك، أنا العزيز، أنا الكريم، فرجف برسول الله صلي الله عليه وسلم المنبر حتي قلنا ليخرنّ به (السلسلة الصحيحة، 7/596)

یعنی عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ممبر کے اوپر قرآن کی مذکورہ آیت پڑھی۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے کہا کہ اللہ اپنی تمجید کرے گا اور کہے گا کہ میں ہوں جبار، میں ہوں متکبر، میں ہوں بادشاہ، میں ہوں زبردست، میں ہوں کریم۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں جبار، کہاں ہیں متکبر۔ یہ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لرزہ طاری ہوا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ شاید آپ گر پڑیں۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے جب کہ خالقِ کائنات ظاہر ہو اور براہِ راست طور پر دنیا کا چارج لے لے۔ اسباب کے اعتبار سے، یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآن میں جس آنے والے وقت کی پیشین گوئی کی گئی تھی، وہ وقت بالفعل آچکا ہے، اُس وقت کے آنے میں اب کوئی دیر نہیں۔

لائف سپورٹ سسٹم کی تباہی

دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے انسان کو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً پانی، روشنی، آکسیجن، نباتات، وغیرہ۔ اِن چیزوں کے مجموعے کو لائف سپورٹ سسٹم (life support system) کہا جاتا ہے، یعنی معاونِ حیات نظام۔ سائنس کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ زمین پر یہ معاونِ حیات نظام خطرناک حد تک بگڑ گیا ہے، سائنس داں برابر یہ انتباہ دے رہے ہیں کہ زمین پر انسان کی آبادکاری بہت جلد ناممکن ہوجائے گی، یہاں تک کہ مشہور برٹش سائنس داں اسٹفن ہاکنگ نے اِس صورت حال کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم کو اب خلائی بستیاں (space colonies) بنانا چاہیے، حالاں کہ اسٹفن ہاکنگ اور دوسرے تمام لوگ جانتے ہیں کہ یہ تجویز عملاً ممکن نہیں۔

زمین کا وہ حصہ جس کو آرکٹک (Arctic) کہا جاتا ہے، یہ برف کے بہت بڑے پہاڑ کی مانند ہے جو کئی ہزار مربع میٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ برفانی پہاڑ زمین پر موسم کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آرکٹک (قطب شمالی) کا یہ منطقہ مختلف پہلوؤں سے زمین پر انسان کی آبادی کے لیے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ مگر بیسویں صدی کے ربع آخر میں، جب سے گلوبل وارمنگ کے ظاہرے نے شدت اختیار کی ہے، قطب شمالی کی یہ برف بہت تیزی سے پگھل رہی ہے۔

سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق، شاید اندیشہ ہے کہ اگلے 10 برسوں میں یہ پورا برفانی پہاڑ پگھل کر سمندروں میں چلا جائے۔ اِس کی بنا پر مختلف قسم کے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے جو زمین کو انسان کے لیے ناقابلِ رہائش بنا دیں گے۔ اس سائنسی تحقیق کا خلاصہ نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (14 اگست 2012) میں حسب ذیل عنوان کے تحت شائع ہوا ہے:

Arctic Sea Ice May Vanish in 10 Years (p. 19)

خلاصہ کلام

اوپر جو کچھ لکھا گیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان نے اُس نوعیت کا ایک بہت بڑا واقعہ کیا ہے جس کو نظریاتی سرقہ کہا جاتا ہے۔ وہ چیز جس کو جدید تہذیب کہا جاتا ہے، وہ پوری کی پوری اِسی جرم کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ اِس جرم میں موجودہ زمانے کی پوری آبادی شریک ہے۔ جن لوگوں نے اِس تہذیب کو وجود دیا، وہ اِس جرم میں براہِ راست طور پر شریک ہیں، اور بقیہ لوگ جو تہذیب کے اِس جرم پر نکیر (denial) کیے بغیر اُس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ بالواسطہ طور پر اِس جرم میں شریک ہیں۔

اِس نظریاتی سرقہ (plagiarism) کے خلاف خالق کی کارروائی اب مستقبل بعید کی چیز نہیں رہی۔ یہ کارروائی اب عملاً شروع ہو چکی ہے۔ اِس کارروائی کو ایک لفظ میں اِس طرح کہا جا سکتا ہے کہ خالق نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان کو مذکورہ جرم کی بنا پر زمین سے بے دخل کر دیا جائے۔ خالق کا یہ فیصلہ لائف سپورٹ سسٹم کے خاتمے کی صورت میں بتدریج ظاہر ہو رہا ہے۔ بظاہر وہ وقت بہت قریب آچکا ہے جس کی پیشین گوئی قرآن کی مختلف آیتوں میں کی جا چکی تھی۔

نوٹ: صدر اسلامی مرکز کا مذکورہ خطاب سی پی ایس کے حسب ذیل ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے:

http//:cpsglobal.org/content/end-human-history-12th-aug-12

پٹنہ (بہار) میں قارئین الرسالہ کی ماہانہ میٹنگ شروع ہو گئی ہے۔ پتہ حسب ذیل ہے:

A. H. M. Danyal (President, Centre for Peace)
Mahatwana, Phulwarisharif, Patna-601505, Bihar
Mob. 9308477841, 0612-3255435

ایک خط

برادرِ محترم مولانا محمد اکرم الزہری (مسقط، عمان)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ مع متعلقین بخیر ہوں گے۔ اللہ تعالی آپ کو اور آپ کے تمام اہلِ خانہ کو اپنی خصوصی نصرت اور رحمت سے نوازے اور دنیا اور آخرت کی سعادتیں عطا فرمائے۔ 12 اکتوبر 2012 کو آپ سے ٹیلی فون پر بات ہوئی۔ ماضی کی بہت سی یادیں تازہ ہوگئیں۔

آپ ماشاء اللہ برابر دینی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کی اِن کوششوں کو قبول فرمائے۔ تاہم مجھے آپ کو ایک خاص کام کی طرف توجہ دلانا ہے۔ یہ کام دعوت الی اللہ کا کام ہے، یعنی غیر مسلموں تک اللہ کا پیغام پہنچانا۔ یہ بلاشبہہ اہلِ ایمان کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ دعوت کا کام گویا کہ خاتم النبیین کی نیابت کا کام ہے۔ یہ کام بلاشبہہ فرضِ عین ہے اور ہر مومن کو اپنے دائرے میں اِس کام کو انجام دینا ہے۔

موجودہ زمانے میں دو واقعات ایسے پیش آئے ہیں جنھوں نے دعوت کے کام کو بہت زیادہ آسان بنا دیا ہے۔ ایک ہے پرنٹنگ پریس، جس کی وجہ سے یہ ممکن ہوگیا کہ قرآن کا ترجمہ 'لسانِ قوم' میں تیار کیا جائے اور اُس کو مطبوعہ صورت میں لوگوں کے درمیان ڈسٹری بیوٹ کیا جائے۔ اصحابِ رسول کا طریقہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے، اِس بنا پر اُن کو مقری کہا جاتا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمام اہلِ ایمان قرآن کے ڈسٹری بیوٹر بن جائیں۔

اِس معاملے میں دوسرا موافقِ دعوت پہلو یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مواصلات کی ترقی کی بنا پر ایک نیا ظاہرہ وجود میں آیا ہے، جس کو عالمی حرکت (global mobility) کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں سیاحت، تجارت، ملازمت اور دوسرے اسباب کے تحت، لوگوں کی آمد و رفت

بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہر ملک میں دوسرے ملکوں کے لوگ پہنچ رہے ہیں۔ اِن میں بڑی تعداد غیر مسلموں کی ہوتی ہے۔ اِس نئے ظاہرے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ مدعو خود چل کر داعی کے یہاں پہنچ رہا ہے۔ وہ خاموش زبان میں امتِ محمدی کے ہر فرد سے کہہ رہا ہے کہ ہم تمھارے دروازے پر ہیں۔ آؤ، ہم کو اُس ربانی پیغام سے آگاہ کرو جو اللہ نے تمھارے پاس بھیجا ہے۔

اب ہر مسلمان کو، خواہ وہ عرب میں ہو یا غیر عرب میں، اس کو یہ کرنا ہے کہ وہ اپنے پاس اسلامی کتابیں رکھے اور اِس کو اُن لوگوں تک پہنچاتا رہے جو اس کے علاقے میں بار بار کسی نہ کسی سبب سے آرہے ہیں۔ اِس قسم کے مواقع آج کل ہر جگہ موجود ہیں۔ دفتروں میں پارکوں میں، کانفرنسوں میں، غرض ہر اجتماعی مقام پر اِس قسم کے مدعو برابر پہنچ رہے ہیں۔ اُن کو نہایت آسانی کے ساتھ دعوتی لٹریچر پہنچایا جاسکتا ہے۔ اِس سلسلے میں ہمارے ادارے سے قرآن اور سیرتِ رسول اور خصوصی اسلامی موضوعات پر مختلف زبانوں میں کتابیں تیار کی گئی ہیں۔ مثلاً قرآن کا انگریزی ترجمہ اور پرافٹ آف پیس (*The Prophet of Peace*)، وغیرہ۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کے ساتھی اپنے دوسرے دینی کاموں کے ساتھ اِس کام کو اپنی سرگرمیوں میں شامل کریں گے، یعنی اسلامی لٹریچر کو غیر مسلموں تک پہنچانا۔

نئ دہلی، 15 اکتوبر 2012 دعا گو وحیدالدین

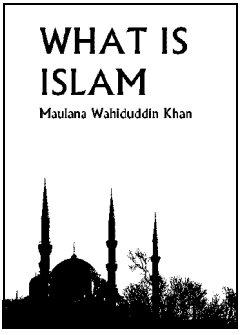

سوال وجواب

سوال

عام طور پر کہا جاتا کہ میں تشدد کا حامی نہیں، لیکن دشمنوں کی سازش سے واقف ہونا تو بہت ضروری ہے۔ براہِ کرم اِس معاملے کی وضاحت فرمائیں (ڈاکٹر محمد اسلم خان، سہارن پور)

جواب

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ: إن تصبروا وتتقوا لا يضركم كيدهم شيئا (3:120) یعنی اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو ان کی سازش تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

گویا کہ سازش سے واقف ہونا سازش کا توڑ نہیں ہے، بلکہ صبر اور تقوی کی روش اس کا توڑ ہے۔ قرآن کی اس آیت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اِس معاملے میں کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ مسلمانوں کی بے صبری اور ان کے غیر متقیانہ مزاج سے واقفیت حاصل کی جائے، اور پھر اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ کیوں کہ مسلمانوں کے اندر صبر اور تقوی کی روش پیدا کر کے ہی سازش کو بے اثر بنایا جا سکتا ہے۔ قانونِ فطرت کے تحت ''سازش'' کا خاتمہ ممکن نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ مسلمان اپنے مثبت ردعمل کے ذریعے اپنے آپ کو اس کے نقصان سے بچا سکیں۔

جس چیز کو ''سازش'' کہا جاتا ہے، وہ دراصل ایک امرِ فطری ہے۔ اِس کا تعلق خدا کی دی ہوئی آزادی سے ہے۔ یہ آزادی مصلحتِ امتحان کی بنا پر دی گئی ہے، اس لیے وہ قیامت تک باقی رہے گی، اس کو ہرگز ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ کرنے کا کام یہ نہیں ہے کہ لاحاصل طور پر خود سازش کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو اتنا باشعور بنایا جائے کہ وہ اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہوں۔ مشتعل نہ ہو کر سازش کو بے اثر بنایا جا سکتا ہے۔ اِس معاملے میں اصل حقیقت تدبیرِ کار کی ہے، نہ کہ سازش سے باخبر ہونے کی۔ اِسی لیے قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ اے مسلمانو، تم سازش سے باخبر رہو، بلکہ یہ فرمایا کہ تم ہر حال میں صبر کی روش اختیار کرو۔ صبر کی روش اختیار کر کے تم سازش کا شکار ہونے سے بچ جاؤ گے۔

سوال

ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔ اِس حدیث کا مطلب کیا ہے۔

اس کو واضح فرمائیں۔ (حافظ ابوالحکم محمد دانیال، بی ایس سی، پٹنہ، بہار)

جواب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إن أمتي لا تجتمع على الضلالة (ذخيرة الحفاظ للقيسراني، 1/364) یعنی میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔ اِس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امتِ محمدی کے افراد جس چیز پر مجتمع ہو جائیں، وہ لازماً حق ہوگا۔ اِس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ عام ضلالت کے وقت بھی امت محمدی کے کچھ افراد ایسے ہوں گے جو ہدایت پر قائم رہیں گے اور وہ حق کی نمائندگی کریں گے۔ قانونِ فطرت کے مطابق، امتِ محمدی میں بھی انحراف آئے گا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ امت کا کوئی فرد بھی اِس انحراف سے محفوظ نہ رہے۔ حدیث کے اِس مفہوم کی تصدیق ایک اور روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: أن تستجمعوا كلكم على الضلالة (مسند إسحاق بن راهويه، رقم الحديث: 363) یعنی بعد کے زمانے میں جب امت میں عام بگاڑ آجائے گا، اُس وقت بھی کچھ افراد اِس عمومی بگاڑ سے محفوظ رہیں گے۔

امت محمدی کے بارے میں یہ بات کسی پراسرار فضیلت کی بات نہیں۔ یہ دراصل ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو پیغمبر اسلام نے پیشین گوئی کے انداز میں بیان فرمایا۔ اصل یہ ہے کہ امتِ محمدی کی بنیاد جس دین پر قائم کی گئی ہے، اُس کا متن کامل طور پر ایک محفوظ متن ہے۔ پیغمبر اسلام کی یہ ایک استثنائی صفت ہے کہ آپ پر اتارا ہوا قرآن پوری طرح اپنی اصل زبان میں محفوظ ہے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت بھی تاریخی طور پر پوری طرح معلوم ہے۔ پیغمبر اسلام کا کلام بھی مستند کتابوں میں محفوظ ہو چکا ہے۔ پیغمبر اسلام کا لایا ہوا دین اپنے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے، پوری طرح معلوم اور محفوظ ہے۔ یہ صورتِ حال اِس بات کی ضمانت بن گئی ہے کہ امت کے زوال یا انحراف کے دور میں بھی دینِ اسلام کا ماخذ پوری طرح محفوظ ہو اور حق کے طالب افراد ہمیشہ اُس سے دینِ خداوندی کو اخذ کر کے ہدایت پر قائم رہیں۔ امتِ محمدی میں دین سے انحراف عمومی ہو سکتا ہے، لیکن وہ کلی کبھی نہیں ہوگا۔

سوال

کہا جاتا ہے کہ امریکا اور افغانستان کی جنگ میں امریکا ناکام ہو گیا اور افغانستان جیت گیا۔ وہ

اِس طرح کہ اگر دو فریقوں کی جنگ میں ایک فریق کے لیے جنگ منفی نتائج کا سبب ہوتی ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ دوسرے فریق کے لیے وہ جنگ یقینی طور پر مثبت نتائج کا سبب بن رہی ہے۔ یہ بات امریکی محکمہ خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر کے اِس بیان کی روشنی میں کہی جاتی ہے کہ امریکا جو کچھ افغانستان میں کر رہا ہے، وہ سب اس کے لیے الٹے نتیجوں کا ہی سبب بن رہا ہے۔ براہِ کرم، اِس معاملے کی وضاحت فرمائیں (عبدالباسط عمری، قطر)۔

جواب

افغان جنگ کے بارے میں امریکی افسر نے جو بات کہی، وہ صرف ایک جنگی تبصرہ ہے، اِس سے وہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا جو مذکورہ قسم کے لوگ اُس سے نکال رہے ہیں۔ کوئی بھی منفی تبصرہ، مثبت نتیجے کا سبب نہیں بن سکتا۔ امریکا نے جب عراق اور افغانستان پر ہوائی حملے کیے، تو اس کا مقصد اصلاً القاعدہ کا زور توڑنا تھا، اور اسامہ بن لادن کی ہلاکت (2011) کے بعد یہ مقصد ایک حد تک حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن امریکی قائدین کو غالباً اِس کا اندازہ نہ تھا کہ اُن کے اقدام سے القاعدہ کی طاقت تو کمزور ہو سکتی ہے، لیکن اِس اقدام کے ردعمل میں امریکا کے خلاف مسلمانوں میں جو نفرت پیدا ہوگی، اس کا کوئی توڑ ممکن نہ ہوگا۔

امریکی افسر نے جو کچھ کہا وہ صرف امریکی قائدین کے غلط اندازے کو بتاتا ہے۔ اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اِس جنگ میں افغانستان کی جیت ہوئی ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ افغانستان کی اقتصادی طاقت بالکل تباہ ہوگئی ہے۔ افغانستان کی تعمیر و ترقی کا کام بالکل رکا ہوا ہے۔ مزید یہ کہ افغانی لوگوں میں آپس کی جنگ چھڑ گئی ہے۔ یہ واقعات افغانستان کی تباہی کو بتاتے ہیں، نہ کہ اس کی جیت یا کامیابی کو۔

اِس معاملے میں جہاں تک اسلامی نقطۂ نظر کا تعلق ہے، اسلام میں وہی اقدام مثبت اقدام ہے جو مثبت نتیجہ برآمد کرنے والا ہو۔ فریقِ ثانی کے نقصان پر خوش ہونا اسلام کا طریقہ نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق، قابلِ لحاظ بات یہ نہیں ہے کہ اِس جنگ میں امریکا کو کچھ نقصان پہنچا، اصل قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ افغانستان بدستور پچھڑا ہوا ایک ملک ہے، وہ تعمیر و ترقی کے راستے میں آگے نہ بڑھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اب بھی بدستور اپنے بیٹوں کو امریکا بھیج رہے ہیں، کوئی بھی شخص اپنے بیٹوں کو افغانستان بھیجنے کے لیے تیار نہیں۔

1۔ نئی دہلی کے تاج پیلیس (ہوٹل) میں 3 اگست 2012 کو افطار کا ایک پروگرام ہوا۔ یہ پروگرام ترکی کے ادارہ ایجوکیشنل ٹرسٹ (Educational Endowment Trust) کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر سی پی ایس انٹرنیشنل (نئی دہلی) کی ٹیم کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ یہاں ملک و بیرون ملک کے اعلی افسران اور تعلیم یافتہ افراد بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ مثلاً کمیونیکیشن منسٹر کپل سبل، اور ٹرکش ایمبیسڈر مسٹر براق (Burak Akcapar) وغیرہ۔ یہاں حاضرین کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

2۔ اینگلو عربک اسکول (دہلی) میں 15 اگست 2012 کے موقع پر ایک فنکشن ہوا۔ اس میں اعلی تعلیم یافتہ ہندو مسلم حضرات نے شرکت کی۔ سی پی ایس کی دہلی فیلڈ ٹیم (DFT) کی طرف سے لوگوں کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

3۔ پولس کمیونٹی کی طرف سے 13 اگست 2012 کو سہارن پور (یوپی) کے کرسٹل پیلیس (امبالا روڈ) میں روزہ افطار کا ایک پروگرام ہوا۔ اس میں سہارن پور کے تعلیم یافتہ ہندو۔ مسلم حضرات کے علاوہ، اعلی سرکاری افسران نے شرکت کی۔ اس موقع پر سہارن پور کے حلقہ الرسالہ کی طرف سے حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

4۔ پیس ہال (سہارن پور) میں 25 اگست 2012 کو عید ملن کا ایک پروگرام ہوا۔ اس موقع پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ یہاں لوگوں کو قرآن کا ترجمہ عید گفٹ کے طور پر دیا گیا۔

5۔ نیشنل میڈیکل کالج (سہارن پور) میں 9 ستمبر 2012 کو ایک ورک شاپ ہوا۔ اس میں اعلی تعلیم یافتہ لوگوں نے شرکت کی۔ مثلاً گنیز بک آف ریکارڈ میں شامل ڈاکٹر اشوک جین، وغیرہ۔ اس موقع پر حاضرین کو دعوتی میٹریل دیا گیا۔ ڈاکٹر اشوک جین نے بعد کو ٹیلی فون کے ذریعے بتایا کہ انھوں نے سی پی ایس کے لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ ان کتابوں کے مطالعے نے مجھے اس حقیقت کو سوچنے پر مجبور کیا کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی آخرت کے لیے تیاری کرے۔ انھوں نے کہا کہ میں اس مشن میں شامل ہو کر دوسروں تک اس کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔

6۔ صدر اسلامی مرکز کے مضامین مختلف انگریزی جرائد میں چھپ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں 16 ستمبر 2012 کو درج ذیل اخبار میں حسب ذیل مضمون شائع ہوا:

In the Name of God, *Deccan Chronicle* (Daily Newspaper, Hydrabad)

7۔ جموں و کشمیر کے چند نمائندہ افراد ایک پروگرام کے تحت دہلی آئے۔ اس موقع پر 22-23 ستمبر 2012 کو صدر اسلامی مرکز نے دعوتی اور تربیتی موضوع پر خصوصی خطاب کیے—یہ تمام خطابات دوسرے خطابات کی طرح سی پی ایس کے ویب سائٹ پر محفوظ ہیں۔

8۔ مسٹر اے والٹر (A. Walter Emmerich) نے 24 ستمبر 2012 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس انٹرویو کا موضوع تھا—انڈین مسلم اور ان کے مسائل۔ مسٹر والٹر آکسفورڈ یونی ورسٹی (لندن) میں

ڈیولپ مینٹ اسٹڈیز کے تحت پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ مسٹر والٹر کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

9۔ پرل پیلیس (سہارن پور) میں 29 ستمبر 2012 کو نکاح کی ایک تقریب ہوئی۔ یہاں موجود تمام لوگوں کو سہارن پور ٹیم کی طرف سے دعوتی لٹریچر دیا گیا۔ دولہا اور دلہن کو تذکیر القرآن، اور 'خاندانی زندگی' کا ایک نسخہ دیا گیا۔

10۔ نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (14 ستمبر 2012) میں شائع شدہ صدر اسلامی مرکز کے ایک مضمون (*Everything is Temporary*) پر قارئین کے چند تاثرات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

- Thanks for a timely piece of article that serves as an eye-opener to all of us. As we keep getting tangled or caught up in many difficulties in our day-to-day situations, we need support and mental strength that comes from moral support offered by a mentor. Today, at a very personal level, as I read these words of wisdom, I am helped to unshackle the clouds of depression cropping up and I feel once again motivated and cheerful to address the day's challenges. (Ramana Acharyulu)
- It is a very meaningful article. Maulana's understanding of the society, nature, and how to live life is truely amazing. This is best formula one can adopt for everyday life. (Dr Giriyappa Kollannavar)
- Very inspiring article. Faith in the divine could do wonders. The belief that we are being watched over and are protected brings in lots of hope and the will to face difficult times. (Dr Rashmi Chaturvedi)
- Surely this is an excellent article, particularly for those who are seeing their lives as purely hopeless owing to several negative problems in their day-to-day life. (Gangadharan Pulingat)
- Thank you so much for posting this blog. It has really energized my mind to fight with difficulties. (Archana Vishwakarma)
- This is a fantastic article. All things in life are temporary and transient and will eventually change and fade away. Nothing stays the same forever and sooner we learn how to accept that fact, the happier we will be. (C.Swami)

11۔ یکم اکتوبر 2012 کو سنت نرنکاری بھون (سہارن پور) میں ہندو گروؤں کا ایک پروگرام ہوا۔ اِس موقع پر حاضرین کو قرآن کا ہندی ترجمہ اور ہندی بک لیٹ — ستیہ کی کھوج، جیون کا اُدیش، وغیرہ دیا گیا۔

12۔ نئی دہلی کے شری کرشنا آڈیٹوریم میں 2 اکتوبر 2012 کو ایک پروگرام ہوا۔ اِس کا موضوع یہ تھا:

Non-Violence, World Peace and Environment Conservation

یہ پروگرام آل انڈیا جین آرگنائزیشن (All India Shwetambar Jain Organization) کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اپنی ٹیم کے ساتھ اس میں شرکت کی اور موضوع پر آدھ گھنٹے کی ایک

تقریر کی۔ یہ تقریر ہندی زبان میں تھی۔ اِس تقریر میں اسلام کی پرامن تعلیمات کا تعارف پیش کیا گیا۔ اس موقع پر سی پی ایس کی طرف سے حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔ اِس پروگرام کو دوردرشن ٹی وی چینل نے لائیو ٹیلی کاسٹ کیا۔

13۔ کشمیر کے مختلف مقامات پر ہمارے ساتھی بڑے پیمانے پر وہاں کے غیر ملکی ٹورسٹس (tourists) اور مقامی لوگوں کے درمیان دعوت کا کام کررہے ہیں۔ اِس سلسلے میں 3-1 اکتوبر 2012 کو کشمیر یونی ورسٹی (سری نگر) کے سنسکرت ڈپارٹمینٹ کی طرف سے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا 46 واں سیشن منعقد ہوا۔ اِس موقع پر حلقہ الرسالہ کے ساتھیوں نے بڑے پیمانے پر حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا۔ خاص طور پر آسام کے گورنر مسٹر جے بی پٹنائک کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔ ''صبح کشمیر'' (*The Dawn Over Kashmir*) کو لوگوں نے بہت شوق سے لیا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ یہاں حاضرین کے چند تاثرات درج کیے جاتے ہیں:

- میں بہت دنوں سے ہندی مادھیم میں قرآن پڑھنا چاہتا تھا، آج اِس دھرم گرنتھ (قرآن) کو پاکر میں بہت خوش ہوں۔ یہ گرنتھ انسانیت کا سبق دیتا ہے۔ (پروفیسر رام سمیر یادو، شعبہ سنسکرت، لکھنؤ یونی ورسٹی)
- خدا نے انسان کو کئی زبانیں دی ہیں۔ اِن میں سب سے اچھی زبان ہم کو اردو معلوم ہوتی ہے۔ مطالعے کے بعد میں نے پایا کہ ہندی، اردو کے بغیر ادھوری ہے۔ آج یہاں ہندی اور اردو میں قرآن کا ترجمہ پاکر میری دیرینہ خواہش پوری ہورہی ہے۔ (منوویندر سنگھ، مظفر پور، بہار)
- آج قرآن کا انگریزی ترجمہ پاکر مجھ کو بے حد خوشی محسوس ہورہی ہے۔ (مہیندر راول، پولس انسپکٹر، گجرات، جوناگڑھ)
- Extremely impressed by the noble activities and precious publications of CPS, Kashmir. The activities are meant for promotion of universal brotherhood and mutual fellow-feelings which appreciating the endavour of the organisation, I wish this spiritual exercise all success in the days to come. (Prof. Hare Krishna Satyapathy, VC. R.S. University, Tirupati)

14۔ پنجاب (پاکستان) کے معروف صوفی بابا عرفان الحق نے ایک پروگرام کے تحت انڈیا کا سفر کیا۔ اِس سلسلے میں 4 اکتوبر 2012 کو پیس ہال میں ایک پروگرام کیا گیا۔ اِس موقع پر اُن کو اور ان کے ساتھیوں کو صدر اسلامی مرکز کی کتابیں دی گئیں۔ بابا عرفان الحق نے یہاں گفتگو کے دوران کہا کہ میں نے مولانا وحید الدین خاں کی کتابیں پڑھی ہیں۔ اِسی کا نتیجہ ہے کہ میں قرآن وسنت کے علاوہ، کسی اور ''مسلک'' سے اپنے آپ کو وابستہ نہ کرسکا۔ اِس پروگرام میں بڑی تعداد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو مسلم حضرات نے شرکت کی۔ تمام حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

15۔ نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (2 اکتوبر 2012) میں صدر اسلامی مرکز کے شائع شدہ مضمون (*Blasphemy in Islam*) پر قارئین کے چند تاثرات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

- Your article made a very interesting reading, which is in consonance with my own very little understanding of the readings of the Quran over the

last many years. I congratulate you for explaining this so vividly, and in a scholarly manner, as well. I would be too glad to read such scholarly articles/books of yours, especially the scientific understandings or inference of Quran. (P Ravindra Kumar, Bangalore)

- Thank you for sharing the beautiful article on a proper response to blasphemy. It is an eloquent articulation of the religious freedom that we both believe God wants for all humanity to enjoy. I hope your article reaches a very wide and receptive audience. (Galen Carey, W. D.C.)

16- صدر اسلامی مرکز کے ٹیلی فونی خطاب (Tele-Conference) انڈیا اور انڈیا کے باہر کے لیے جاری ہیں- انڈیا میں یہ پروگرام مختلف مقامات کے لیے ہوتا ہے- مثلاً بنگلور، کلکتہ، چنئی، وغیرہ- امریکا کے لیے ہونے والے خطاب کی تفصیل درج ذیل ہے:

Shift of Emphasis, 2nd September 2012
*Discover Your Ignorance,*16th September 2012
The Issue of Blasphemy in Islam, 30th September 2012
Relative Value of Things, 14th October 2012

17- سی پی ایس کی دہلی فیلڈ ٹیم (DFT) کے ذریعے دعوت کا کام جاری ہے- اِس سلسلے میں مقامی طور پر دعوتی کام کرنے کے علاوہ ٹیم کے لوگ دوسرے امکانات کو دعوت کے لیے استعمال کرتے ہیں- مثلاً بک فیر، وغیرہ- اِس سلسلے میں ٹیم کے لوگوں نے تین بک فیر میں شرکت کی— گوالیار بک فیسٹ (مدھیہ پردیش) 19-10 اگست 2012، اندور بک فیسٹ (مدھیہ پردیش) 23-14 ستمبر 2012، ناگ پور بک فیسٹ (مہاراشٹر یہ) 28 ستمبر تا 7 اکتوبر 2012- اِن بک فیرز میں دہلی فیلڈ ٹیم کے ممبر مسٹر جنید الاسلام نے اپنے ذاتی انتظام کے تحت بک اسٹال لگایا- یہاں سے بڑے پیمانے پر لوگوں نے اسلامی لٹریچر اور قرآن کے ترجمے حاصل کیے- دعوتی اعتبار سے یہ بک اسٹال بہت کامیاب رہا- یہاں اِس سلسلے میں چند تاثرات نقل کیے جاتے ہیں:

- Overwhelming response from all age groups. I fell very ill and had 103 degree' fever, I prayed to God and in the morning to my surprise, my fever was gone. And after that for the next 10 days, I attended the book fest. An Assistant Commissioner, Muhammad Yunus came at the stall (Gwalior) with a non-Muslim friend. He had several questions about the ideology. I explained to him. He had read the book in one day and came back the next day as a different person. Yunus said that after talking with me the non Muslim youth's mind had also undergone a change as he was also negative about Islam. I told Yunus that you should give the Quran to all at Eid. The idea struck him and he placed an order of 175 Quran and the non Muslim youth also bought some copies along with other books.

Our initial stock of Quran had finished in few days, another stock was sent from Delhi. Some of those who left the addresses, called me up and asked when would we recieve our copy of the Quran. Reaching of the second consignment was also very miraculous, my neighbour Mr. Vijay who works for the state transport volunteered to send the Quran. The residents of Gwalior are open hearted and nationalistic and loving people. During the entire period, there was not a single untoward happening, they were all very open to the message of Islam. All of them were extremely welcoming. (Junaidul-Islam)

- As a reader, I always wanted to read the Quran. Now, it is available in Hindi and English. I am very grateful. (Anand Lakra, Indore)
- I had a dream many years back in which it was written: "Read Quran!" (Hansharastan Chopra, Indore)

- میں بہت دنوں سے قرآن کو سمجھنا چاہتی تھی۔ آپ نے مجھ کو قرآن پڑھنے کا موقع دیا، شکریہ (مز پونم ترا، اندور)
- کٹر وادی وچار دھارا سے بچنے اور سچا گیان حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ ہے سچائی کو خود سے ڈسکور کرنا۔ اِس مقصد کے لیے میں قرآن پڑھنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے، اور وہ صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ اگرچہ اِس پر کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں، لیکن ہم کو خود ہی اِن پردوں کو ہٹانا ہوگا۔ (مہیش یادو، اندور)
- قرآن میں آسان طریقے سے بتایا گیا ہے کہ بندہ اپنے خدا کو کس طرح پا سکتا ہے۔ خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وہاں شرمندگی نہ ہو، چہرہ اجلا رہے، یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ (دواکر دونگولے، ناگ پور)
- سی پی ایس کے لٹریچر میں مذہب کو جس طرح پازیٹیو انداز میں پیش کیا گیا ہے، اس کے لیے ہم آپ لوگوں کے بہت شکر گزار ہیں۔ (راجیش مدھولکر، ناگ پور)
- میں بہت دنوں سے اسلام کے بارے میں سوچ رہی تھی، مجھ کو سی پی ایس کے بک اسٹال سے اچھی کتابوں کا سیٹ مل گیا۔ شاید میں اِن کتابوں کے ذریعے اسلام کو سمجھ سکوں۔ (مز سونیا مَنے، ناگ پور)

18۔ الرسالہ مشن سے متعلق مولانا عبدالباسط عمری، دوحہ، قطر کا ایک تاثر یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''ہم احساس محرومی میں جیتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ احساس یافت میں جینے کے قابل بنایا۔ ہم بے شعور تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہمیں شعور عطا کیا۔ ہم ظواہر اسلام میں جیتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ روح اسلام سے متعارف ہونے کا موقع دیا۔ اسلام ہمارے لئے ہاتھ کی چھنگلیا کی طرح تھا، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ اسے ہماری حقیقی زندگی میں شامل کیا اور اس کو ہمارے لئے روحانی غذا اور ذہنی ارتقا کا ذریعہ بنا دیا۔ ہم خدا کی شعوری دریافت سے محروم تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہمیں خدا کی شعوری دریافت سے متعارف کیا۔ ہم خدا کو مانتے ہوئے خدا سے دور تھے، ہمیں معلوم تھا کہ خدا ارحم الراحمین ہے اور ہمیں اس سے

حب شدید ہونا چاہیے، لیکن خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہم کو کم لگتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ ہم حقیقی جذبات شکر سے محروم تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ بتایا کہ خدا کے ارحم الراحمین ہونے کو کس طرح دریافت کیا جائے اور خدا سے حب شدید کا طریقہ کیا ہے۔ ہم صرف نفی غیر کو جانتے تھے اور اسی کو خالص توحید سمجھے ہوئے تھے۔ نفی ذات کیا ہے، اس سے ہم کلی طور پر بے خبر تھے، یہی وجہ تھی کہ ہم سچی تواضع سے بھی محروم تھے۔ اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ نفیِ ذات کا شعور عطا کیا۔ ہم اللہ اکبر کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ اللہ بڑا ہے، اس لئے ''لوگو، تم بڑے نہیں ہو، اِس سے فخر اور ذاتی بڑائی کا احساس پیدا ہوتا تھا، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہمیں بتایا کہ اللہ اکبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بڑا ہے، اس لئے ''میں'' بڑا نہیں ہوں۔ اس سے تواضع کی اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ ہم کنفیوژن میں جیتے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ وہ کون سا کام ہے جس کو ہمیں اپنا سپریم کنسرن بنانا چاہئے۔ اِس وقت اسلام کے نام پر اٹھنے والی مسلم تحریکوں کا حال وہ ہے جس کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: کل حزب بما لدیھم فرحون (23:53)۔ ہر ایک یہ کہتا کہ کرنے کا کام تو یہ ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہمیں اس کنفیوژن سے نکالا اور ہمیں بتایا کہ دعوت اور معرفت کے سوا کوئی بھی دوسری چیز ہمارا مقصد زندگی نہیں، کوئی بھی دوسرا کام ہمارے لئے سپریم کنسرن کی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم مایوسی اور شکایت کی نفسیات میں جیتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہمیں دکھایا کہ اِس دنیا میں ہر طرف امکانات ہی امکانات ہیں۔ ہمیں بس انہیں دریافت کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد ہمارے اندر شکر ہی شکر پیدا ہوگا، ہمارے اندر سے شکایت اور مایوسی کا کلی طور پر خاتمہ ہوجائے گا۔ ہماری حالت یہ تھی کہ ہم دعوت اور عداوت دونوں میں جیتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ خالص دعوت الی اللہ کو ہمارے اوپر کھولا اور ہمیں پورے معنوں میں ساری انسانیت کے لئے کامل خیر خواہ بنایا۔ ہم قومی فخر میں جیتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہم کو خدا کے شکر میں جینا سکھایا۔ ہم اسلام اور مسلمان دونوں کو ایک چیز سمجھتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ بتایا کہ اسلام اور مسلمان دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، وہ ہرگز ہم معنی نہیں۔ ہم تشدد کلچر اور نفرت کلچر میں جیتے تھے، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہمیں امن کلچر میں جینا سکھایا۔ ہم اسلاف کی عظمت میں جیتے تھے، ہم اس کیفیت میں جیتے تھے کہ ماترك الأولون للآخرين شيئا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی عقل اور اللہ کا عطا کیا ہوا دماغ بند پڑا ہوا تھا، اللہ نے الرسالہ مشن کے ذریعہ ہم کو بتایا کہ ساری عظمتیں صرف اللہ کے لیے ہیں (العظمة لله وحده)۔ اِس دریافت نے ہمارے دماغ کو کھولا، اور ہمیں ذہنی ارتقا کی نعمت سے نوازا اور ہمیں اپنے ان صاحبِ معرفت بندوں میں شامل ہونے کی تربیت اور توفیق دے رہا ہے جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ: يغبطهم الأنبياء والشهداء يوم القيامة الخ۔ یہ چند احساسات تھے، جو میرے دماغ میں ہلچل پیدا کر رہے تھے''۔

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔ الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے کمیشن 33 فی صد ہے۔ 50 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 40 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ 2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ 3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحب ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)
ایک سال	Rs. 150	$20
دو سال	Rs. 300	$40
تین سال	Rs. 450	$60

Rahnuma-e-Zindagi
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Monday to Thursday 5.00 am

ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan
ETV Urdu
Every Sunday 9.00 am